عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ
ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

جلد: ۲۵ | ۱۶ تا ۲۳ / ذوالقعدہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۸ تا ۱۵ / دسمبر ۲۰۰۶ء | شمارہ: ۴۶

غلافِ کعبہ
تاریخ کے آئینہ میں

توکل علی اللہ
اہمیت و افادیت

حج میں پیش آنے والی مشکلات اور اُن کا تدارک

بیت المقدس اور فلسطین
تاریخی پس منظر

Email: editorkn@yahoo.com

Website: http://www.khatme-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com

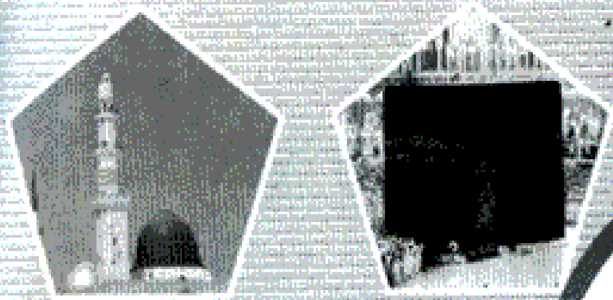

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

آپ کے مسائل

مقتدی تکبیر کب کہے؟

س:...... مقتدی امام کے پیچھے کس طرح نماز ادا کریں؟ امام کے منہ سے ''اللہ'' نکلے تو فوراً عمل شروع کردیں؟

ج:...... امام کے تکبیر شروع کرنے کے بعد آپ تکبیر کہہ سکتے ہیں' مگر اس (بات) کا خیال رکھا جائے کہ تکبیر امام سے پہلے شروع نہ کی جائے اور امام سے پہلے ختم بھی نہ کی جائے۔

مقتدی کو تکبیریں آہستہ کہنی چاہئیں:

س:...... مردوں کیلئے فرض نماز کی رکعتوں میں تکبیر اور ثناء (ظہر وعصر کے علاوہ) بآواز بلند پڑھنے کا حکم ہے' مسجد میں بھی (جماعت کے علاوہ) کیا ایسا کرنا چاہئے؟ عموماً لوگ مساجد میں فرائض بھی خاموشی سے ادا کرلیتے ہیں' کیا یہ درست ہے؟

ج:...... بلند آواز سے تکبیر امام کہتا ہے' مقتدی کو اور منفرد کو تکبیریں آہستہ کہنی چاہئیں اور ثناء تو امام بھی آہستہ پڑھے۔

مقتدی تکبیرات کتنی آواز سے کہے؟

س:...... بعض لوگ باجماعت نماز پڑھتے ہوئے امام کی تکبیروں کے ساتھ ساتھ تکبیریں کہتے ہیں اور کہتے بھی بالجہر ہیں یعنی ان کے ساتھ کھڑے ہوئے دو تین اشخاص باآسانی ان کی آواز سن اور سمجھ سکتے ہیں' کیا ان کی نماز ہوجاتی ہے؟

ج:...... مقتدی کو تکبیر آہستہ کہنی چاہئے اور آہستہ کا مطلب یہ ہے کہ آواز صرف اس کے کانوں کو سنائی دے۔

امام کی اقتداء میں ثناء کب تک پڑھے؟

س:...... سری نماز و جہری نماز میں مقتدی کو ثناء کیسے ادا کرنی چاہئے' یعنی سری نماز میں کب تک اور جہری نماز میں کب تک پڑھنی چاہئے؟

ج:...... جب امام قرأت شروع کردے تو ثناء چھوڑ دینی چاہئے اور سری نماز میں جب تک یہ خیال ہو کہ امام نے قرأت شروع نہیں کی ہوگی' ثناء پڑھ لے' اس کے بعد چھوڑ دے۔

مقتدی کی ثناء کے درمیان اگر امام سورۂ فاتحہ شروع کردے تو مقتدی خاموش ہوجائے:

س:...... امام کے سورۂ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے میں نے ثناء پڑھنی شروع کردی اور درمیان میں امام نے سورۂ فاتحہ شروع کردی' اس وقت بقیہ ثناء اور تعوذ وتسمیہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:...... جب امام قرأت شروع کردے تو ثناء پڑھنا وہیں پر بند کردے۔ تعوذ وتسمیہ قرأت کے تابع ہیں' اس لئے ان کو امام اور منفرد پڑھے' مقتدی نہیں۔ مقتدی صرف ثناء پڑھ کر خاموش ہوجائے۔

امام کے ساتھ ارکان کی ادائیگی:

س:...... جماعت کی نماز کے دوران امام جب رکوع و سجود کرتا ہے تو کیا اس کے ساتھ ساتھ رکوع وسجدہ میں جایا جائے یا بعد میں جایا جائے یعنی جب امام سجدہ میں چلا جائے تب مقتدی سجدہ کرے؟

ج:...... مقتدی کا رکوع وسجدہ اور قومہ وجلسہ امام کے ساتھ ہی ہونا چاہئے بشرطیکہ مقتدی' امام کے رکن شروع کرنے کے بعد اس رکن کو شروع کرے۔ نیز یہ کہ امام سے آگے نکلنے کا اندیشہ نہ ہو' اگر امام کے اٹھنے بیٹھنے کی رفتار سست ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر اس امام کے ساتھ ہی انتقال شروع کیا تو امام سے آگے نکل جائے گا تو ایسی حالت میں تھوڑا سا توقف کرنا چاہئے۔

ہفت روزہ ختمِ نبوۃ

جلد:۲۵ شمارہ:۴۶ ۱۶تا۲۳/ذوالقعدہ۱۴۲۷ھ مطابق ۸تا۱۵/دسمبر۲۰۰۶ء

بیاد

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ

مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ

محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ

مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ

حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ

جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمنؒ

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ

شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ

سرپرست

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم
حضرت مولانا سید نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم

مدیر اعلیٰ: مولانا عزیز الرحمن جالندھری
نائب مدیر اعلیٰ: مولانا محمد اکرم طوفانی
مدیر: مولانا اللہ وسایا

مجلس ادارت

○ مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر ○ مولانا سعید احمد جلالپوری
○ علامہ احمد میاں حمادی ○ صاحبزادہ مولانا عزیز احمد
○ صاحبزادہ طارق محمود ○ مولانا بشیر احمد
○ مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی ○ مولانا قاضی احسان احمد

سرکولیشن منیجر: محمد انور رانا
کمپوزنگ: محمد فیصل عرفان
قانونی مشیر: حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ، منظور احمد میؤ ایڈووکیٹ

اس شمارے میں

کاؤس جی کی بدزبانی	اداریہ	۴
توکل علی اللہ......اہمیت وافادیت	ضیاء الدین قاسمی	۶
حج میں پیش آنے والی مشکلات	مولانا سعید احمد جلال پوری	۱۱
بیت المقدس اور فلسطین......تاریخی پس منظر	مولانا ابرار کلیم	۱۵
قادیانیت کا مکروہ چہرہ!	مولانا سعید احمد جلال پوری	۲۰
غلافِ کعبہ......تاریخ کے آئینہ میں	مولانا نثار احمد قاسمی	۲۵
عرب کے چاند سا حسیں......	مولانا عطاء الرحمٰن عطا مفتاحی	۲۷

زرتعاون بیرون ملک: امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۰ڈالر۔
یورپ، افریقہ: ۷۰ڈالر۔ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات،
بھارت، مشرقِ وسطیٰ، ایشیائی ممالک: ۶۰امریکی ڈالر
زرتعاون اندرونِ ملک: فی شمارہ: ۷روپے۔ ششماہی: ۱۷۵روپے۔ سالانہ: ۳۵۰روپے
چیک۔ ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت۔ اکاؤنٹ نمبر 8-363اور
اکاؤنٹ نمبر 2-927الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ کراچی پاکستان ارسال کریں

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی۔ فون: ۲۷۸۰۳۳۷ فیکس: ۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat(Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road.Karachi.
Ph: 2780337 Fax: 2780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۴۵۱۴۱۲۲-۴۵۸۳۴۸۶ فیکس: ۴۵۴۲۲۷۷
Hazori Bagh Road, Multan
Ph: 4583486-4514122 Fax: 4542277

لندن آفس:
35,Stockwell Green,
London, SW9 9HZ U.k.
Ph: 0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمن جالندھری طابع: سید شاہد حسین مطبع: القادر پرنٹنگ پریس مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کاؤس جی کی بدزبانی

معاصر انگریزی روزنامہ ''ڈان'' کی ۲۶/نومبر کی اشاعت میں قادیانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کے بارے میں معروف پارسی کالم نگار اردشیر کاؤس جی کا ایک توصیفی مضمون شائع ہوا ہے جس میں پوری ڈھٹائی کے ساتھ جا بجا ڈاکٹر عبدالسلام کو قادیانی کے بجائے مسلمان باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کاؤس جی جو اپنی اسلام دشمنی میں مشہور و معروف ہیں' اپنے اس مضمون کے پہلے پیراگراف میں ڈاکٹر عبدالسلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''عبدالسلام' اپنے ملک کا واحد نوبل انعام یافتہ...... واحد مسلمان جس نے یہ انعام حاصل کیا۔'' (روزنامہ ڈان کراچی' ۲۶/نومبر ۲۰۰۶ء)

جہاں تک حقیقت حال کا تعلق ہے' ڈاکٹر عبدالسلام ایک سکہ بند قادیانی تھے اور انہوں نے قادیانی جماعت سے اپنی دیرینہ وابستگی کو چھپانے کے بجائے عیاں کرنے کو ہمیشہ ترجیح دی' اور قادیانی جماعت سمیت تمام جھوٹے مدعیانِ نبوت اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں پوری امت محمدیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں' جنوبی افریقہ کی عدالت نے یہی فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اپنے دین کے بارے میں فیصلہ دینے کا اختیار صرف مسلمانوں ہی کو ہے' لہٰذا جب امت محمدیہ کے نمائندوں نے اپنے متفقہ فیصلہ کے ذریعہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا' تو اس کے باوجود کاؤس جی کا ڈاکٹر عبدالسلام کو مسلمان قرار دینا عقل و انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

پھر یہی نہیں کہ امت مسلمہ کے نمائندوں نے قادیانیوں کو کافر قرار دیا' بلکہ ۷/ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستانی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں قومی اسمبلی نے بھی ایک متفقہ فیصلہ کے ذریعہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی اور اس فیصلہ کو ایک ترمیم کے ذریعہ پاکستان کے آئین کا ایک حصہ بنا دیا گیا۔ لہٰذا پارلیمنٹ کے فیصلے کے تحت قادیانی غیر مسلم ٹھہرے' جس کے بعد پاکستان میں بسنے والے کسی بھی فرد کا قادیانیوں کو مسلمان قرار دینا آئین و قانون کی خلاف ورزی اور پارلیمنٹ کی توہین کے زمرے میں آتا ہے۔ کیا کاؤس جی اس سوال کا جواب دینا پسند کریں گے کہ وہ کس بنا پر قانون شکنی کے مرتکب ہوئے؟ انہوں نے کس کی شہ پر قادیانیوں کو مسلمان قرار دیا ہے؟ بحیثیت ایک پارسی کے انہیں یہ اختیار کس نے دیا ہے کہ وہ کسی فرد یا جماعت کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا فیصلہ کریں؟ اسلام میں داخل یا خارج ہونے کے لئے اسلامی عقائد کی قبولیت یا انحراف شرط ہے یا کاؤس جی کی زبان و قلم سے اس کی سند اور پروانہ ملنا؟

اپنے اسی مضمون میں کاؤس جی' ڈاکٹر عبدالسلام کو ''خراج عقیدت'' پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک عظیم انسان اور پاکستان کے پیدا کردہ عظیم ترین انسانوں میں سے ایک۔'' (روزنامہ ڈان کراچی' ۲۶/نومبر ۲۰۰۶ء)

یہاں یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ڈاکٹر عبدالسلام' پاکستان کے بارے میں کیسے ''زریں اور نادر خیالات'' کے حامل تھے؟ اس سلسلہ میں شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو' آپ'' اپنے معرکۃ الآرا رسالہ ''ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اور نوبل انعام'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی واقعی پاکستانی ہے' لیکن اس کی نظر میں خود پاکستان کی کیا عزت و حرمت ہے؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ یحییٰ خان اور مسٹر بھٹو کے دور میں صدر پاکستان کا سائنسی مشیر تھا' لیکن جب ۱۹۷۴ء میں پاکستان قومی اسمبلی نے آئینی طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو یہ صاحب احتجاجاً لندن جا بیٹھے اور جب مسٹر بھٹو نے اس کو ایک سائنس کانفرنس میں شرکت کی دعوت بھجوائی تو پاکستان کے بارے میں نہایت گندے اور توہین آمیز ریمارکس لکھ کر دعوت نامہ واپس بھیج دیا۔ ہفت روزہ چٹان کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

''مسٹر بھٹو کے دور میں ایک سائنسی کانفرنس ہو رہی تھی' کانفرنس میں شرکت کے لئے ڈاکٹر سلام کو دعوت نامہ بھیجا گیا' یہ ان

دنوں کی بات ہے جب قومی اسمبلی نے آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا تھا' یہ دعوت نامہ جب ڈاکٹر سلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے مندرجہ ذیل ریمارکس کے ساتھ اسے وزیراعظم سیکریٹریٹ کو بھیج دیا:

ترجمہ: ''میں اس لعنتی ملک پر قدم نہیں رکھنا چاہتا جب تک آئین میں کی گئی ترمیم واپس نہ لی جائے۔''

......کیا ایسا شخص جو پاکستان کے بارے میں ایسے توہین آمیز اور ملعون الفاظ بکتا ہو' اس کا اعزاز پاکستان اور اہل پاکستان کے لئے موجب مسرت اور لائق مسرت ہو سکتا ہے؟'' (تحفہ قادیانیت جلد اول' صفحہ ۶۲۹' ۶۳۰)

اپریل ۱۹۸۴ء میں سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے امتناع قادیانیت آرڈی نینس جاری کیا جس کی رو سے قادیانیوں کو مسلمان کہلانے اور شعائر اسلام کا استعمال کر کے مسلمانوں کو دھوکا دینے پر قانونی طور پابندی عائد کی گئی' لیکن کاؤس جی ہیں کہ پاکستان کے قانون کی کھلم کھلا تضحیک کر کے اپنے مضمون میں قادیانیوں کو نہ صرف یہ کہ مسلمان قرار دیتے ہیں بلکہ ڈاکٹر عبدالسلام کو اپنے مضمون کے آخری پیراگراف میں ''اپنے وقت کے عظیم ترین مسلمانوں میں سے کا ایک'' گردانتے ہیں۔ کیا ایسا شخص جو پاکستان کو ''لعنتی ملک'' قرار دیتا ہو' اس قابل ہے کہ اسے ''پاکستان کے پیدا کردہ عظیم ترین انسانوں میں سے ایک'' یا ''ایک عظیم انسان'' قرار دیا جائے؟ یا حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے بقول ایسا شخص ''غدار پاکستان'' اور'' پاکستان کی توہین کرنے والا بدترین انسان'' کہلانے کا مستحق ہے؟

پھر صرف ڈاکٹر عبدالسلام ہی پر بس نہیں' بلکہ اس کا مذہبی پیشوا تو پاکستان دشمنی میں تمام حدود کو پھلانگ چکا تھا' چنانچہ ڈاکٹر عبدالسلام کا مذہبی پیشوا اور اس وقت کا قادیانی سربراہ مرزا طاہر جو اپریل ۱۹۸۴ء میں جاری ہونے والے امتناع قادیانیت آرڈی نینس کے نفاذ کے بعد پاکستان سے راتوں رات فرار ہو کر لندن جا بیٹھا تھا' امتناع قادیانیت آرڈی نینس کو ''لڑائی کا بگل'' قرار دیتا تھا' چنانچہ قادیان (بھارت) سے شائع ہونے والے قادیانیوں کے دوماہی پرچہ ''مشکوۃ'' نے اپنی ایک اشاعت میں ''پیغام امام جماعت کے نام'' کے عنوان سے مرزا طاہر قادیانی کا درج ذیل پیغام شائع کیا:

''یہ ایک لڑائی کا بگل ہے جو بجایا جا چکا ہے' اس کی آواز ہمیں ہر طرف پھیلانی ہے۔'' (دوماہی ''مشکوۃ'' قادیان صفحہ ۸)

''اسلام آباد کے حکمران اس آواز کی گونج کو سن کر بے بس اور پسپا ہو جائیں۔'' (دوماہی ''مشکوۃ'' قادیان صفحہ ۸)

''تمام جماعت کو برق رفتار کے ساتھ اس لڑائی میں شامل ہو جانا چاہئے۔'' (دوماہی ''مشکوۃ'' قادیان صفحہ ۸)

اسی پر بس نہیں' بلکہ مرزا طاہر نے تو لڑائی کے نتائج کے طور پر ڈھکے چھپے الفاظ میں پاکستان میں افغانستان جیسے حالات پیدا کرنے کی دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ:

''ہو سکتا ہے کہ وہاں ایسے حالات پیدا ہوں جیسے افغانستان میں پیدا ہوئے۔'' (ہفت روزہ ''لاہور'' لاہور' صفحہ ۱۳' ۲۰/ اپریل ۱۹۸۵ء)

ان حقائق کو سامنے رکھ کر انصاف کیجئے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا نوبل انعام کسی پاکستانی کے لئے یا عالم اسلام کے کسی بھی مسلمان کے لئے لائق فخر اور موجب مسرت ہو سکتا ہے؟

ڈاکٹر عبدالسلام نہ صرف خود قادیانی تھا' بلکہ قادیانیت کا پرجوش داعی و مبلغ بھی تھا' اور اس کی جماعت اور اس کا مذہبی پیشوا ہمیشہ سے مسلمانوں کا حریف اور اعدائے اسلام کا حلیف رہا ہے' اور یہ ہر دو' پاکستان کے خلاف لڑائی کا بگل بجاتے رہے' وہ پورے عالم اسلام کو قادیانیوں کے موقف کی تائید نہ کرنے کی وجہ سے لعنتی قرار دیتے رہے' وہ پوری دنیا میں یہ جھوٹا شور وغوغا کرتے رہے کہ پاکستان میں قادیانیوں پر ظلم ہو رہا ہے' کیا مسلمانوں کے ایسے دشمن کی تعریف کرنا جس سے عالم اسلام کو خطرات لاحق ہوں یا جو اپنے ملک سے غداری کا مرتکب ہوا ہو' کاؤس جی کی ملی حمیت کا مظہر ہے؟ یا اس کے اسلام دشمن طبقہ کے ساتھ گہرے روابط کا؟

یہاں ہم روزنامہ ڈان کے مالکان اور اس کی انتظامیہ کی جانب سے قادیانیت نوازی کی شدید مذمت کرتے ہوئے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ روزنامہ ڈان کے مالکان اور اس کی انتظامیہ آئین اور قانون کی توہین وخلاف ورزی کے ارتکاب سے باز آجائیں اور قادیانیوں کو مسلمان باور کرانا چھوڑ دیں' بلکہ پاکستانی پارلیمنٹ کے فیصلے کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہوئے قانون کی نہ صرف یہ کہ خود پاسداری کریں بلکہ قادیانیوں کو بھی آئینی وقانونی حدود میں رہنے کا مشورہ دیں۔

توکل علی اللہ

اہمیت وافادیت

ضیاء الدین قاسمی ندوی

''ان الله يحب المتوكلين۔''

ترجمہ: ''بیشک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اللہ کے محبوب و پسندیدہ بندوں میں سے ''متوکلین'' بھی ہیں' توکل اللہ کو اتنا پسند ہے کہ اس نے کلام پاک میں متعدد مقامات پر مختلف انداز اور پیرایہ میں بندوں کو بھی اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا ہے کہ تمام معاملات میں اللہ ہی پر اعتماد و بھروسہ کریں' اس لئے کہ وہ ایک ذات جو اعتماد کے لائق ہے' اس کے سوا کوئی سہارا نہیں۔ وہی تمام امور کو بنانے اور بگاڑنے والا ہے اور مومن کی شانِ بندگی اور کمالِ ایمان یہ ہے کہ اس کی نگاہ کا محور و مرکز اللہ کی ذات ہو توکل وقناعت اور زہد و استغناء اولیاء اللہ اور صلحاء امت کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔

توکل کی حقیقت:

قرآن وحدیث میں توکل علی اللہ کا بار بار حکم دیا گیا ہے تو ضروری ہے کہ توکل کی حقیقت جان لی جائے' صاحب مختار الصحاح نے توکل کے معنی میں لکھا ہے: ''اظهار العجز والاعتماد على غيره۔'' اپنی عاجزی کا اظہار اور دوسرے پر اعتماد و بھروسہ۔

جب انسان کسی کام کو کرنے سے عاجز ہوتا ہے یا اپنے اوپر بھروسہ نہیں ہوتا ہے تو اپنی ذمہ داری کسی کے حوالے کر دیتا ہے' اسی کو وکیل بنانا کہتے ہیں' مقدمات میں قانونی موشگافیوں کے ساتھ اپنے قضیہ کو حل کرانے سے جب انسان عاجز ہوتا ہے تو وکیل کا سہارا لیتا ہے' یہی حال ایک بندۂ کامل کا اپنے مالک حقیقی کے ساتھ ہونا چاہئے کہ اس کے سامنے ہر معاملے میں اپنی عاجزی و مسکنت کا اظہار کرتا ہے اور بندوں کی عاجزی اللہ کو بہت پسند ہے' اس لئے کہ عاجز ولاچار ہونا ہی بندہ کی اصل ہے' وہ اپنے ہر کام میں قادر مطلق کی مشیت و قدرت کا محتاج ہے' لہٰذا جب بندۂ مومن اپنے خالق و مالک کی ذات پر مکمل اعتماد کر لیتا ہے اور یقین کامل کے ساتھ اس کی نصرت کا طالب ہوتا ہے تو پھر رب العالمین اپنے متوکل بندہ کا وکیل بن جاتا ہے' اس کو کسی بھی لمحہ بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا: ''ومن يتوكل على الله فهو حسبه'' (الطلاق:۳) یعنی اور جس نے اللہ پر اعتماد کیا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے' پھر کوئی خوف اور غم نہیں کوئی فکر اور تردد نہیں۔

توکل کے لئے یقین ضروری ہے اور اس کے ساتھ اپنی استطاعت کے مطابق اسباب و وسائل کا استعمال بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام سے جہاد وقتال کرنے کا حکم بھی دیا' مگر یہ نہیں فرمایا کہ بس اللہ کے نام پر نکل جاؤ بلکہ یہ حکم دیا کہ درپیش امور میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ بھی کریں اور جب مشورہ کے بعد کسی کام کا پختہ عزم کر لیں' یعنی تمام ظاہری ذرائع استعمال کریں اور دل میں پکا ارادہ کر لیں' پھر اللہ کی ذات پر اعتماد کرتے ہوئے وہ کام کریں' خواہ جہاد ہو یا کوئی دوسرا کام' لہٰذا ارشاد فرمایا: ''فاذا عزمت فتوكل على الله'' تو جب عزم کر لیں تب اللہ پر بھروسہ کریں' اس لئے کہ دنیا دار الاسباب ہے' اسباب ظاہریہ کا استعمال کرنا وسیلہ و ذریعہ کے طور پر ضروری ہے لیکن ان کو کسی صورت میں موثر تصور کرنا اور ظاہری اسباب ہی پر بھروسہ کر لینا' ایمان و توکل کے خلاف ہے' اگر صرف توکل علی اللہ کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اللہ کی نصرت و مدد پر یقین کر کے بیٹھ جائیں تو پھر سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل فرماتے اور کسی بھی ظاہری وسیلہ اور ذریعہ کو استعمال نہ کرتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور نہ قرآن کریم نے اس کا حکم دیا ہے' بلکہ دشمنوں کے مقابلے کے لئے پہلے پوری تیاری کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور حکم دیا:

''اور ان کے لئے تیار کرو جو ہو سکے طاقت میں سے پلے ہوئے گھوڑوں میں جن کے ذریعہ اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ اور ان کے علاوہ دوسروں کو جن کو تم نہیں جانتے کہ (وہ دشمن ہیں) اور اللہ ان کو جانتا ہے۔''

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی تعداد مشرکین طائف کے مقابلے میں تین گنا زیادہ تھی' کفار چار

ہزار تھے جبکہ مسلمان بارہ ہزار' اس موقع پر مجاہدین اسلام کو اپنی ظاہری تعداد پر اعتماد ہوگیا کہ جب ہم کم ہوکر ہمیشہ فتح یاب ہوتے رہے ہیں تو آج زیادہ تعداد میں ہوکر فتح یقیناً حاصل ہوجائے گی' یہ تصور و خیال توکل و یقین کے منافی تھا' اس کی سزا فوراً دی گئی اور جنگ ہوتے ہی مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے' حالانکہ نہ ان کے ایمان میں ضعف تھا نہ اللہ کی ذات پر یقین واعتماد میں شبہ تھا' بس اتنی بے احتیاطی ہوگئی تھی کہ تعداد کی کثرت کو فتح کا ذریعہ تصور کرلیا تھا اسی کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی آیت نمبر۲۵ میں بیان فرمایا:

''تم کو اللہ نے بہت سے موقعوں میں غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع پر غرہ ہوگیا تھا پھر وہ کثرت کچھ کارآمد نہ ہوئی تم پر زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہوگئی' پھر تم پشت پھیر کر بھاگے۔''

تو اسباب و آلات اور ذرائع و وسائل کا استعمال کرنا منشائے شریعت اور حکم الٰہی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباب و وسائل کو اختیار بھی فرمایا اور اس کا حکم بھی دیا ہے' خواہ لڑائی ہو یا کاروبار اور تجارت' حصول رزق ہو یا کوئی اور عمل ہر کام میں دنیاوی مادی اسباب کا اختیار کرنا ضروری ہے' لہٰذا جائز و حلال طریقہ پر ان سب کو اختیار کرکے استعمال کرنا' پھر اللہ کی ذات پر کامل یقین کرنا کہ اللہ خیر و برکت اور مدد و نصرت کا معاملہ فرمائے گا توکل علی اللہ کی روح ہے۔

ایسے ہی توکل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بندۂ مومن ان تمام اسباب اور وسائل کو موثر نہیں مانتا' بلکہ اس کا یقین اللہ کی ذات پر ہے وہ اپنی عاجزی و فروتنی کا اقرار کرتا ہے اور اس کو اپنے خالق و مالک کی ذات کے سوا کسی کی ذات پر اور کسی بھی دوسرے ذریعہ پر اعتماد و بھروسہ نہیں۔

قرآن پاک میں توکل کا حکم:

توکل اللہ کو کتنا پسند ہے اور متوکلین کا مقام کس درجہ بلند ہے' اس کو قرآن کریم کے تاکیدی حکم سے سمجھا جاسکتا ہے۔ ایمان و توحید کا معاملہ ہو یا فتح و نصرت کی طلب' رزق میں فراخی مقصود ہو چاہے مصائب و مشکلات سے نجات ہر جگہ توکل علی اللہ کی روح ہونی چاہئے۔

چند آیات کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

۱:......''اور اللہ ہی پر مومنوں کو اعتماد کرنا چاہئے۔'' (التوبہ:۵۱)

۲:......''اگر تم مومن ہو تو بس اللہ ہی پر توکل کرو۔'' (المائدہ:۲۳)

۳:......''اگر تم اللہ پر ایمان لائے تو اس پر اعتماد کرو' اگر تم فرمانبردار ہو۔'' (سورۂ یونس:۸۴)

۴:......''تو انہوں نے کہا: ہم نے اللہ پر توکل کیا' اے ہمارے رب۔'' (سورۂ یونس:۸۵)

۵:......''اور ہم کو کیا ہوگیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں' دراں حالیکہ اس نے ہم کو سیدھے راستہ کی ہدایت دی ہے۔'' (آل عمران:۱۲۲)

۶:......''اگر تم کو اللہ چھوڑ دے تو کون اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا اور اللہ ہی پر مومنوں کو توکل کرنا چاہئے۔'' (آل عمران)

۷:......''اور ہم ضرور صبر کریں' اس تکلیف پر جو تم ہم کو دوگے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔'' (سورۂ ابراہیم:۱۲)

۸:......''اور اللہ پر توکل کیجئے اور اللہ کافی ہے وکیل ہونے کے لئے۔'' (سورۂ احزاب:۳)

احادیث میں توکل کی فضیلت:

۱:......''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم اللہ پر اعتماد کرتے جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو ایسے رزق دیتا جیسا کہ پرندوں کو جو صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو آسودہ پیٹ واپس آتے ہیں۔'' (ترمذی)

۲:......''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے ستر ہزار افراد بے حساب و عذاب کے جنت میں جائیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو نہ جادو اور تعویذ کا سہارا لیتے ہیں نہ بدشگونی لیتے تھے وہ اپنے رب پر توکل کرتے تھے۔'' (مشکوٰۃ)

لایسترقون: جھاڑ پھونک' گنڈا تعویذ جادو' ٹوٹکا نہیں کراتے یعنی ان اسباب پر قطعاً اعتماد نہیں کرتے یہی اولیاء اللہ متوکلین کاملین کی شان ہے' اگرچہ آیات قرآنیہ سے علاج و معالجہ جائز ہے اور اس کا ثبوت ہے' مگر یہ عام لوگوں کے لئے ہے' خواص ان اسباب کا سہارا لینا بھی توکل کے منافی قرار دیتے ہیں۔

ولا یتطیرون: نہ بدشگونی لیتے ہیں کہ فلاں منحوس ہے' فلاں سعید ہے' فلاں کے سبب ایسا ہوگیا' فلاں کی صورت دیکھ کر دن بھر بے کاری و بے قراری

رہی وغیرہ وغیرہ۔

شانِ توکل:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو توکل علی اللہ کی جو تعلیم دی ہے، وہی توکل کی روح اور شان ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بچے! تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ (یعنی دنیا و آخرت کی تکالیف سے بچائے گا) تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو گے تو تم اللہ کو سامنے پاؤ گے (یعنی اللہ ہر جگہ تمہاری حفاظت و مدد فرمائے گا)۔ جب سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو، جب مدد چاہو تو صرف اسی سے مدد مانگو اور سنو! اگر پوری قوم تم کو نفع پہنچانے پر آمادہ ہوجائے تب بھی اتنا ہی فائدہ پہنچا سکتی ہے، جتنا اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر رکھا ہے اور اگر تمام لوگ تم کو کچھ نقصان پہنچانے پر لگ جائیں تب بھی اتنا ہی پہنچا سکتے ہیں، جتنا اللہ نے لکھ دیا ہے، قلم اٹھالئے گئے اور صحیفے خشک ہوگئے (یعنی قضاوقدر کا فیصلہ ہوچکا ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی)۔ (مشکوٰۃ)

اسرارالاولیاء میں بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ توکل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ عاقل وہی شخص ہے جو دنیا کے تمام معاملات میں اللہ پر توکل کرتا ہے، توکل کی تشریح اس طرح کی ہے کہ متوکل کے ایمان میں خوف ورجاء اور محبت ہو، خوف سے گناہ ترک کردے اور رجاء سے اللہ کی اطاعت کرے اور محبت سے اللہ کی رضا کے لئے تمام مکروہات سے باز رہے۔ (بزم صوفیہ صفحہ ۱۸۱)

اللہ کی ذات پر توکل ویقین سے دل کو تقویت حاصل ہوتی ہے، صبر وقناعت اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے، مال و دولت اور جاہ ومنصب کی حرص سے نجات حاصل ہوتی ہے، پھر نہ طلب جاہ رہتی ہے نہ خوف مخلوق، نہ کسی سے شکوہ ہوتا ہے اور نہ کسی سے خطرہ باقی رہتا ہے، نہ مل جانے کی طمع ہوتی ہے اور نہ چھن جانے کی فکر اور ڈر لاحق ہوتا ہے اور یہی سکون قلب ہے جو متوکلین کو حاصل ہوتا ہے:

’’الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔‘‘

توکل کی یہ شان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بدرجہ اتم موجود تھی، جس نے ان کو غیر اللہ سے بیگانہ اور دربار حق کا دیوانہ بنادیا تھا، وہ مطمئن دل کے ساتھ، آنکھ بند کرکے اللہ کی نصرت پر یقین کرتے تھے اور حسب تعلیم دنیاوی اسباب بھی اختیار کرتے تھے، لیکن یہ اختیار اسباب برائے اسباب ہی کے درجہ میں ہوتا تھا۔ ادنیٰ سا بھی ایمان و یقین ان اسباب کے موثر ہونے پر نہیں ہوتا تھا اور یہی یقین وتوکل، قدم قدم پر ان محیرالعقول اور عجیب وغریب کامیابیوں سے ہمکنار کرتا تھا، وہ جہاد میں تلوار بھی چلاتے تھے اور تیر بھی برساتے تھے کھیتی باڑی اور زراعت میں ہل بھی چلاتے تھے، اور باغ بھی لگاتے تھے، محنت ومزدوری بھی کرتے تھے اور تجارت وکاروبار بھی کرتے تھے، مگر کوئی چیز اس سے غافل نہیں کرتی تھی کہ اصل حکم اللہ کا ہے، وہی ہوگا جو اللہ نے مقدر کر رکھا ہے، وہی ملے گا جو اللہ چاہے اسی کو قرآن کریم نے بھی ان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

متوکلین کے واقعات وحکایات:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے گھر سے نکلتے وقت: ’’بسم اللہ توکلت علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ‘‘ پڑھ لیا، تو اس سے اللہ کی طرف سے کہا جاتا ہے تم کو ہدایت دی گئی اور تمہاری کفایت کی گئی اور تم کو بچایا گیا اور شیطان اس سے دور ہوجاتا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

لہٰذا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلتے تھے تو فرماتے تھے: ’’بسم اللہ توکلت علی اللہ‘‘ اسی کے ساتھ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں، اس بات سے کہ بھٹکوں یا کوئی مجھے بھٹکائے، پھسلوں یا کوئی مجھ کو لغزش میں ڈال دے، یا ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے یا میں نادانی کروں یا کوئی میرے ساتھ جہالت کا معاملہ کرے۔ (ترمذی وابوداؤد)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زندگی توکل علی اللہ کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ آتش نمرود میں ڈالے جانے کا حکم ہوا تو ملائکہ ششدر رہ گئے اور ان کی مدد کرنے کے لئے بے چین ہوگئے کہ اللہ کے خلیل (علیہ السلام) پر ظلم وستم ہو اور ہم مدد کو نہ پہنچیں، لہٰذا پانی کے فرشتے نے مدد کی اجازت چاہی، اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی کہ جاؤ اگر ابراہیم (علیہ السلام) تمہاری مدد لینا قبول کریں تو مدد کرسکتے ہو وہ فرشتہ آیا اور مدد کرکے پانی سے آگ سرد کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کو اپنی طرف سے بھیجا ہے؟ فرشتے نے کہا: نہیں! بلکہ میں خود اجازت لے کر حاضر ہوا ہوں، یہ سن کر خلیل اللہ (علیہ السلام) نے فرمایا: جب میرے رب کو میرا حال معلوم ہے، پھر بھی اس نے خود نہیں بھیجا ہے تو مجھ کو آپ کی اعانت درکار نہیں، میرا رب میرے حال کو جانتا ہے اور مجھ کو اس کی ذات پر بھروسہ واعتماد ہے، یہ تھی توکل علی اللہ کی شان۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں ڈالے جانے کے وقت جو آخری بات کہی تھی' وہ "حسبی اللہ ونعم الوکیل" تھی اور یہی جملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کہا تھا' جب لوگوں نے کہا:

"بے شک لوگ (دشمن) تمہارے لئے جمع ہو گئے ہیں' لہٰذا ان سے ڈرو تو اس بات نے ان کو ایمان میں بڑھا دیا اور کہا: ہمارے لئے اللہ کافی اور وہی بہترین کارساز ہے۔ (بخاری)

حضرت علیؓ شب ہجرت میں بستر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر:

جب مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا تو اللہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دیدی' رات کا وقت ہے دشمنان رسول دولت کدۂ رسول کو گھیرے ہوئے ہیں اور آپ کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں کہ نکلیں تو حملہ کرکے کام تمام کردیں ایسے خطرناک وقت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہیں کہ میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جاؤ' انشاء اللہ تم کو کوئی ایسی چیز لاحق نہ ہوگی جو تمہارے لئے ناپسندیدہ ہو' حضرت علی رضی اللہ عنہ دشمنوں کے نرغے میں آرام گاہ رسول پرسکون کی نیند سوتے ہیں' دنیا والوں کی سازشوں اور پلانوں سے بے نیاز رسول خدا کے فرمان اور رب العالمین کی ذات پر توکل کرکے یہ ثابت کرتے ہیں:

"جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون"

غار ثور میں توکل علی اللہ:

اسی شب ہجرت کا واقعہ ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق خاص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ غار ثور میں پناہ گزیں ہیں (یہ سب ظاہری وسیلہ ہے کیونکہ اصلی اعتماد تو اللہ کی نصرت وحفاظت کرنے پر ہے) کفار مکہ تلاش کرتے ہوئے غار کے دہانہ تک جا پہنچے اتنے قریب کہ اگر کوئی غار میں جھانکے تو دیکھ لئے جائیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فکر مندی سے فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دشمن تو سر پر آ پہنچے' جواب ملتا ہے' ابوبکر: "لا تحزن ان اللہ معنا" (گھبراؤ مت اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ اور توکل:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے غربت ومسکنت اور فقر وفاقہ میں تربیت پائی ہے' والد محترم کا سایہ شفقت اٹھ گیا تھا' والدہ صاحبہ اپنے وقت کی ولیہ زاہدہ تھیں' توکل علی اللہ سرمایہ حیات تھا' حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تھا تو فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں' یہ بات سن کر مجھے بڑا ذوق آتا تھا' ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنکہ (اس دور کا سکہ) غلہ گھر میں دے گیا' چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی رہی' میں تنگ آ گیا اور آرزو میں رہا کہ کب والدہ صاحبہ فرمائیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں' آخر وہ غلہ ختم ہوگیا' والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں' یہ سن کر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت جلد سوم)

بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور توکل:

تمام زندگی فقیرانہ عسرت اور درویشانہ استغناء کے ساتھ گزاری' گھر میں اکثر فاقہ ہوتا تھا' ایک روز گھر میں نمک نہ تھا' حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لیا اور ویلہ (ایک قسم کا پھل تھا' جس کو سرکہ اور نمک سے پکا کر اچار بنایا جاتا تھا) پکا کر مرشد کے پاس لے گئے۔ حضرت گنج شکرؒ نے کھانے کے لئے پیالہ میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں گرانی سی محسوس ہوئی' لقمہ اٹھا نہ سکے فرمایا: "ازیں بوئے اسراف می آید" پوچھا کہ نمک کہاں سے لاکر ڈالا گیا ہے؟ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے ڈرتے ہوئے عرض کیا کہ قرض کا ہے۔ حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا: درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت لسانی کے لئے مقروض ہوں۔ قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے۔ (بزم صوفیہ ص:۱۶۶)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شانِ توکل:

آپ کی گھریلو زندگی' عسرت وتنگی اور فقر وفاقہ میں گزرتی تھی' آپ کی اہلیہ پڑوس کے ایک بقال (بنیا) سے ایک تنکہ یا بہلول (اس دور کا سکہ تھا) قرض لے لیا کرتی تھیں اور کام چلاتی تھیں' جب انتظام ہوجاتا تو قرض ادا کردیتی تھیں' ایک مرتبہ بقال کی بیوی نے طنزاً کہا کہ اگر میں تم کو قرض نہ دوں تو تمہارے بچے بھوک سے مرجائیں' جب خواجہ صاحب کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے اہلیہ کو قرض لینے سے منع کردیا اور فرمایا کہ طاق میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کاک لے لیا کرو' لہٰذا وہ ضرورت کے وقت اس ترکیب پر عمل کرتیں اور طاق میں "کاک" (ایک قسم کی روغنی ٹکیہ) ملتا تھا' جس کو لے کر بچوں کو کھلاتی تھیں۔ اسی وجہ سے "بختیار کاکی" مشہور ہوئے۔ (بزم صوفیہ صفحہ:۹۸)

اس قسم کے بہت سے واقعات صوفیائے کرام رحمہم اللہ کی سیرتوں میں ملتے ہیں۔ توکل وقناعت ہی ان پاکیزہ صفات بزرگوں کا سرمایہ ناز ہوتا تھا' کتنے واقعات ایسے ہیں' جن پر بظاہر یقین نہیں آتا' مگر تاریخ کے اوراق ان کو مستند حوالوں سے دہراتے ہیں'

جب ایمان اس درجہ پر پہنچ جاتا تو اللہ کے سوا کسی کی ذات پر ذرہ برابر بھروسہ نہیں ہوتا تو محیر العقول واقعات رونما ہوتے ہیں۔

توکل سے متعلق لطیفہ:

کہتے ہیں کہ کسی پریشان حال شخص نے ایک مجلس میں کسی بزرگ سے توکل علی اللہ کی فضیلت سنی کہ جب اللہ پر توکل ہوجاتا ہے تو اللہ ہر ضرورت پوری کردیتا ہے' بس کیا تھا اس نے ہر طرف سے منہ موڑلیا اور توکل کے نام پر ایک ویران جگہ پر جا بیٹھا' کھانے پینے کا کوئی انتظام نہ تھا' پاس ہی ایک قبر تھی' کچھ لوگ نذرونیاز کا کھانا لے کر قبر پر آئے اور رکھ کر چلے گئے' رات میں چور آئے اور دیکھا کہ مرغن کھانا رکھا ہے' پاس میں ایک آدمی بھی لیٹا ہے' ان چوروں نے کھانا کھانے کا ارادہ کیا' پھر سوچا کہ کہیں ہم کو مارنے کے لئے زہر نہ ملایا گیا ہو' ایسا کرتے ہیں کہ پہلے اس شخص کو کھلاتے ہیں' اس کو جگایا اور کھانے کو کہا: اس آدمی نے انکار کردیا تو چوروں کا شبہ اور قوی ہوا' اب تو مارنے لگے کہ کھاؤ ورنہ مار ڈالیں گے' اس نے مجبوراً کھایا' دوسرے دن واپس آیا اور مولانا سے شکایت کی کہ آپ پوری بات نہیں بتاتے جب توکل پر تقریر ہی کرنی تھی تو اتنا ضرور بتاتے کہ توکل کرنے پر مار بھی پڑتی ہے' تب اللہ کھلاتا ہے۔ (بے سند واقعہ ہے) ☆......☆

حکمت مومن کی گمشدہ ملک

حکمت مومن کی گمشدہ ملک ہے' جہاں بھی اسے پاؤ حاصل کرو' اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جب بھی مطالعہ کے لئے کسی کتاب کو حاصل کیا تو اس میں سے بہت ساری باتیں ایسی تھیں دل انہیں بار بار پڑھنے کو کہتا' انہی حکایات واقعات کو پڑھنے والے قارئین کی نظر کرتا ہوں۔

مرسلہ: مولانا محمد نذر عثمانی' حیدرآباد

اسم محمد ﷺ

مولانا ڈاکٹر عبداللہ ندوی کے اشعار پر تضمین

از رئیس الشاکری

مفہوم کرم' حسن عطا نام محمدؐ
ہے بعد خدا سب سے بڑا نام محمدؐ

ہونٹوں پر بہرحال سجا نام محمدؐ
لاریب کہ ہے نور خدا نام محمدؐ

ناموسِ وفا' صدق و صفا نام محمدؐ

آکاش سے دھرتی کیلئے نور کی دھارا
دریائے کرم جس کا نہیں کوئی کنارہ

تا حدِ نظر صورت فردوس نظارا
ہے ''م'' سے محبوبِ عالم کا اشارہ

آنکھوں کی ضیاء دل کی جلا نام محمد

اخلاص جگائے ہیں کہانی سببوں کی
کونین کو مہکا گئی دھرتی عربوں کی

تقدیر چمکنے لگی تاریک شبوں کی
''ح'' سے حیات ابدی جاں بلبوں کی

جاں آ گئی تن میں جو لیا نامِ محمدؐ

آنکھوں سے چمکنے لگے انوارِ صداقت
ہر شے نظر آنے لگی پابندِ عدالت

بس اپنی مثال آپ ہوں شانِ سخاوت
ہے ''م'' مکرر سے عیاں مہر نبوت

مصدر ہے محبت کا صدا نامِ محمدؐ

دل داری غریبوں کی' بیکس کی حمایت
دل میں کوئی رنج نہ ہونٹوں پر شکایت

ہر طرح سے اللہ کے بندوں کی رعایت
ہے ''د'' دلیل کرم و لطف و عنایت

دارُوئے شفا دل کی دوا نام محمدؐ

حج میں پیش آنے والی مشکلات!
اوران کا تدارک!

سعودی حکومت اور وزارتِ حج کی طرف سے ’’سعودی عرب میں حجاج کو پیش آنے والی مشکلات اور ان کا تدارک‘‘ کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی ایک کانفرنس کی مناسبت سے لکھے گئے پیش نظر مضمون کو قارئین ہفت روزہ ختم نبوت کے افادہ کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔
جس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ پاکستان کی وزارتِ حج، حجاج کی مشکلات کا ادراک کرتے ہوئے اپنے ذرائع سے سعودی حکومت سے حجاج کی مشکلات کے ازالہ کی اپنی سی کوشش کرے اور جتنا ہوسکے وہ حجاج کو راحت و آرام پہنچانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے۔ (مضمون نگار)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

حج ارکانِ اسلام میں سے اہم ترین رکن اور فرائضِ اسلام میں سے ایک فرض ہے۔ حج کی ادائیگی کے لئے چونکہ سال کے مخصوص دنوں اور ایک مخصوص مقام کو منتخب کیا گیا ہے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو اپنے اپنے ملکوں، علاقوں اور وطن سے دور دراز کا سفر کرکے مخصوص دنوں اور مخصوص مقام پر پہنچنا ہوتا ہے اس لئے اس میں تکالیف و مشکلات کا پیش آنا ایک فطری امر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اعلانِ حج کے ساتھ حج میں پیش آنے والی انہی مشکلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

’’وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالاً وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔‘‘

(الحج:۲۷)

ترجمہ: ’’اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو، لوگ تمہارے پاس چلے آویں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی، جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی۔‘‘

بلاشبہ اس ارشاد الٰہی میں ’’دبلی اونٹنیوں‘‘ اور ’’دور دراز راستوں‘‘ کے الفاظ سے حج کی مشکلات کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ بہرحال حج ارکانِ اسلام میں سے پانچواں رکن ہے اور یہ زندگی میں ایک ہی بار فرض ہوتا ہے، اس لئے عموماً حجاج کرام اس کے مسائل و احکام سے ناآشنا اور ناواقف ہوتے ہیں، پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس کے مسائل و احکام بہرحال مشکل بھی ہیں، جبکہ عام طور پر

مولانا سعید احمد جلال پوری

...... الا ماشاء اللہ...... لوگوں کو زندگی میں ایک آدھ بار ہی اس کی سعادت میسر آتی ہے، اس لئے اس کے مسائل کا استحضار ان کے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے حجاج کرام کے لئے زندگی میں سفر کا بھی یہ پہلا ہی موقع ہوتا ہے، اس لئے وہ دُہری مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں، اوپر سے جب ان کو نامانوس حالات، مشکلات اور مسائل کا سامنا ہوتا تو اکثر و بیشتر حضرات اس صورتِ حال سے گھبرا جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں یا تو ان کی حج جیسی عظیم عبادت ضائع ہوجاتی ہے، یا پھر کم از کم ناقص و نا تمام رہ جاتی ہے۔ چنانچہ کچھ لاعلم اور کج فہم لوگ ان حالات سے گھبرا کر اس بابرکت سفر کو اپنی زندگی کی غلطی اور اس عبادت کو...... نعوذ باللہ!.... جرم سمجھنے لگتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایسے ہی بعض حضرات کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ ہم نے یہ کام کرکے شاید غلطی کی ہے۔ لہٰذا حجاج کرام جب کثیر مصارف اٹھا کر دور دراز کا سفر کرکے اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے آتے ہیں تو دنیا بھر کی مسلم حکومتوں اور علمائے کرام کے علاوہ سعودی حکومت اور وزارتِ حج کا بطور خاص یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان کی ہدایت و راہ نمائی اور بیش از بیش راحت و سہولت کا انتظام کریں، اگرچہ سعودی حکومت حجاج کی خدمت میں کوئی کمی اور کسر نہیں اٹھا رکھتی، تاہم عام طور پر حجاج کرام کو جو مشکلات پیش آتی ہیں اور جن سے وہ پریشان ہوجاتے ہیں، ان کا ازالہ ازحد ضروری ہے، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱:...... مسلم حکومتوں، علمائے کرام اور مسلم کمیونٹیز کا فرض ہے کہ وہ اپنے علاقہ اور ملک کے حجاج کی تربیت کریں، ان کو حج جیسی عظیم عبادت کی اہمیت و عظمت سے روشناس کرائیں، حج کے مسائل و احکام کی تعلیم پر مبنی تربیت کا اہتمام کریں اور یہ بتلائیں کہ یہ عشق و محبت کا سفر ہے، اس میں اگر کچھ

مشکلات درپیش ہوں' تو وہ ان سے دلبرداشتہ نہ ہوں' بلکہ انہیں محبوب کی ملاقات میں پیش آنے والی مشکلات کی مانند خوش دلی سے برداشت کریں اور اس سفر میں عفو و درگزر سے کام لیں۔

۲:...... ہر' ہر علاقہ کے مسلم اسکالر' علمائے کرام اور اربابِ فتویٰ کی خدمات حاصل کرکے وہاں کی مقامی آبادی کی زبان اور فقہ کے مطابق احکام و مسائل سے انہیں روشناس کرایا جائے اوران کی فقہ کے مطابق احکامِ حج پر مشتمل عام فہم اور آسان انداز کے رسائل اور کتب انہیں مہیا کی جائیں۔

اسی طرح حکومت سعودیہ کا بھی فرض ہے کہ وہ ہر حاجی کو اس کی اپنی فقہ کی کتب و رسائل پر عمل کرنے کی آزادی مہیا کرے' جدہ ایئرپورٹ پر حجاج کو فقہ حنبلی، شیخ بن بازؒ اور شیخ عثیمینؒ کے فتاویٰ اور اجتہادات پر مبنی رسائل مہیا کرنے کی بجائے انہیں ایسے رسائل اور کتب مہیا کی جائیں' جن میں چاروں فقہاء کی فقہ کے مطابق مسائل حج بیان کئے گئے ہوں' اس لئے کہ شیخ بن بازؒ اور شیخ عثیمینؒ کی علمی جلالت کے اعتراف کے باوجود بہرحال ان کا اجتہاد اور فقہ و فتویٰ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ و فتویٰ اور اجتہاد کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

۳:...... حجاج کرام کی راہ نمائی کے لئے دعوت و ارشاد کے مراکز میں فقہ حنفی' فقہ مالکی' فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کو برابر کی نمائندگی ملنی چاہئے، تاکہ جو لوگ جس فقہ سے تعلق رکھتے ہوں' وہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق اپنی فقہ کے نمائندوں سے مسائل پوچھ سکیں' اس لئے کہ چاروں فقہاء کی فقہ بہرحال حق و ثواب ہے' اور ان کا اختلاف اصولی نہیں' فروعی ہے۔ لہٰذا حجاج کو اس ذہنی الجھن سے نجات دلائی جائے اور انہیں مسلکی تشویش میں مبتلا نہ کیا جائے' کیونکہ بہت سے حضرات اپنی کم استعداد کی بنا پر اس فروعی اختلاف سے پریشان ہوکر سرے سے دین و ایمان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں' چنانچہ بہت سے حضرات کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ آخر اصلی دین کون سا ہے؟

۴:...... حجاج کرام کو حرمین میں رہائشی مکانات کے معاملہ میں بھی بہت مشکلات پیش آتی ہیں' مثلاً حرم سے دور دراز اونچائی پر واقع مکانات کو جب وزارتِ حج کی جانب سے کرایہ پر چڑھانے کا اجازت نامہ اور تصریح مل جاتی ہے تو ضعیف' بوڑھوں' مریضوں اور خواتین کو وہاں آنے جانے میں شدید تنگی ہوتی ہے' اسی آمد و رفت میں بہت سے حجاج راہ بھٹک جاتے ہیں تو کئی مریض ہوجاتے ہیں اور کئی ایک حرم کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔

۵:...... حرم کے قریب جتنا نئی عمارتیں بن رہی ہیں' ان میں ایشین ٹوائلٹ ختم کرکے انگلش باتھ روم اور کموڈ نصب کئے جارہے ہیں' بلاشبہ معذوروں کے لئے یہ بہت مفید ہیں' مگر زیادہ تر حجاج اس کے طریقہ استعمال سے قاصر و ناواقف ہوتے ہیں' چنانچہ کچھ لوگ ان پر پاؤں رکھ کر فراغت حاصل کرنے کی صورت میں توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے گرکر زخمی ہوجاتے ہیں، جب کہ اس انداز سے کموڈ ناپاک ہوجاتے ہیں' جس کی وجہ سے انہیں بعد میں استعمال کرنے والوں کے کپڑے اور جسم ناپاک ہوجاتے ہیں' یوں وہ پاکی و ناپاکی کے شک میں مبتلا ہوکر عبادت کی لذت سے محروم ہوجاتے ہیں' اس لئے ہر باتھ روم میں کموڈ اور ایشین ڈبلیوسی دونوں نصب کئے جائیں۔

۶:...... جدید عمارتوں میں کچن اور مطبخ پر پابندی عائد کرکے غریب اور متوسط حجاج کی مشکلات میں اضافہ کردیا گیا ہے' کیونکہ ہر حاجی نہ تو ہوٹل کا کھانا کھاسکتا ہے اور نہ ہی اس کے مصارف کا متحمل ہوسکتا ہے' اسی طرح آزاد حج ٹور آپریٹر کسی سرکاری منظورشدہ کچن سے کھانا مہیا تو کرلیتے ہیں' مگر اس پر اُٹھنے والے مصارف کا سارا بوجھ حاجی کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ بہت سے سفید پوش حاجی نہ تو ان مصارف کے متحمل ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کا اظہار کرسکتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اوقات ان پر سفری اخراجات میں تنگی کی نوبت آجاتی ہے۔

۷:...... منیٰ' عرفات میں مطوفین و معلمین کی جانب سے مہیا کئے جانے والے خیموں میں حجاب و پردے کا اہتمام نہیں ہوتا' اسی طرح حجاج کی تہذیب و ثقافت کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا' مثلاً: اکیلے اور مجرد حجاج کو خیموں میں ایسی فیملیوں کے ساتھ رکھ دیا جاتا ہے' جو باحجاب و باپردہ ہوتی ہیں' چنانچہ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر بہت سی باپردہ خواتین اپنی حوائجِ ضروریہ میں تنگی محسوس کرتی ہیں اور وہ نیند و آرام سے بھی محروم رہتی ہیں' لہٰذا مطوفین و معلمین کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ اس کا خیال رکھیں' اس لئے مناسب اور ضروری ہوگا کہ تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے قریب ترین لوگوں کو ہی ایک ساتھ خیموں میں رکھا جائے۔

۸:...... منیٰ اور عرفات میں خواتین کے وضو خانوں کو باپردہ کیا جائے' کیونکہ احرام یا برقعہ کی حالت میں ان کا وضو کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے' جبکہ بعض علاقوں کے مرد حضرات سرِ عام استنجاء اور طہارت حاصل کرنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے، جو کسی اعتبار سے بھی قابلِ برداشت نہیں۔

۹:...... منیٰ میں وضو خانوں اور باتھ روم کی تعداد بڑھائی جائے' اس لئے کہ موجودہ وضو خانے

اور باتھ روم ناکافی ہیں جس کی وجہ سے لمبی لمبی لائنیں لگانی پڑتی ہیں اور بعض اوقات حجاج کرام با جماعت نماز سے بھی محروم ہوجاتے ہیں، کیونکہ موجودہ باتھ روم اوسطاً سو حجاج پر ایک کے تناسب سے بنائے گئے ہیں۔

۱۰:...... جمرات کے اردگرد کے کھلے میدان‘ طریق مشاۃ اور عام راستوں پر حجاج کو نہ بیٹھنے دیا جائے‘ کیونکہ زیادہ تر اموات اور حادثات اس کی وجہ سے ہی ہوتے ہیں۔

۱۱:...... حرم سے منیٰ آنے جانے والے تمام راستوں کو چوبیس گھنٹے کھلا رکھا جائے تاکہ طواف وسعی کے لئے آنے جانے والے حجاج بآسانی اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکیں‘ کیونکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ حرم سے منیٰ آنے جانے والے حضرات اکثر و بیشتر کئی کئی گھنٹوں تک سڑکوں پر اور گاڑیوں میں پھنسے رہتے ہیں‘ جس کی وجہ سے معذور و کمزور حضرات شدید ذہنی اور اعصابی تناؤ کا شکار ہوجاتے ہیں‘ اسی طرح وہ حضرات جو کسی وجہ سے پیدل نہیں چل سکتے‘ وہ بھی بے بسی کا شکار نظر آتے ہیں۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ اس کے لئے شٹل سروس چلائی جائے اور منیٰ میں چھوٹی گاڑیوں کا داخلہ مکمل طور پر بند کردیا جائے۔

۱۲:...... جو مقامی حضرات منیٰ میں مبیت اور رات گزارنے کو واجب جانتے ہیں‘ ان کے لئے منیٰ میں رات گزارنے اور مبیت کا الگ انتظام کیا جائے‘ ان کو سڑکوں پر پارکنگ کرنے اور خیمہ زن ہونے سے روکا جائے اور ٹریفک کو رواں رکھنے کے لئے سڑکوں کو خالی رکھا جائے۔

۱۳:...... دس ذوالحجہ کے اعمال و ارکان یعنی رمی، قربانی، اور حلق میں عدمِ ترتیب کے سلسلہ میں ”افعل ولا حرج“..... ترتیب کی پرواہ نہ کیجئے، کوئی حرج نہیں...... کے فتویٰ کو احناف اور دوسرے فقہاء کے متعلقین کے بجائے صرف امام احمد بن حنبلؒ کے متعلقین کی حد تک خاص کیا جائے۔ بصورت دیگر جن حضرات کے نزدیک ترتیب واجب ہے‘ اور ترتیب کی خلاف ورزی پر ان کے ذمہ دم ہو جاتا ہے‘ اور وہ اس فتویٰ کی رو سے دم نہیں دیں گے تو ان کا حج ناقص رہ جائے گا اور عدم ادائیگی دم کی صورت میں ان کو اپنے حج کے ناقص رہ جانے کا شدید احساس ہوگا اور وہ اس پر حکومت سعودیہ کو شدید کوسنے دیں گے۔

۱۴:...... حجاج کرام کے لئے سعودی حکومت کی جانب سے مترجم قرآن کریم کے تحفہ کی شکل میں غیر مقلدین کی مطبوعہ تفسیر کی ترویج بند کی جائے‘ یا کم از کم چاروں فقہ کے تراجم و تفاسیر شائع کرکے ہر شخص کو اس کی اپنی فقہ کی آئینہ دار تفسیر و ترجمہ قرآن کے انتخاب کی سہولت مہیا کی جائے۔ اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو ایک ایسا ترجمہ یا تفسیر مرتب کی جائے جس میں کسی خاص مکتبہ فکر کی ترجمانی یا اس کی طرف جھکاؤ نہ ہو‘ جبکہ موجودہ صورت حال میں سعودی حکومت پر فرقہ واریت اور تنگ نظری کے الزامات لگنے کے امکانات بڑھ رہے ہیں۔

۱۵:...... ہر دو سال بعد حکومت سعودیہ کی جانب سے ایسی کانفرنسوں اور اجتماعات کا اہتمام کیا جائے‘ جس سے حجاج کرام کی مشکلات اور نئے نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا جائے اور دنیا بھر کے اصحاب رائے ارباب علم اور فقہ و فتاویٰ کے اکابرین کو جمع کرکے نت نئی صورت حال کا جائزہ لے کر اس کے حل کے لئے متفقہ لائحہ عمل طے کیا جائے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو انتشار سے بچانے کے لئے وہاں کے مسلم اسکالر اور علماً کو بھی اعتماد میں لیا جائے۔

۱۶:...... منیٰ‘ مکہ مکرمہ میں داخل ہوچکا ہے یا نہیں؟ اس کا سرکاری اعلان کیا جائے، تاکہ جن لوگوں کا مکہ مکرمہ اور منیٰ کا مجموعی قیام پندرہ دن کا ہو‘ اور وہ فقہ حنفی سے تعلق رکھتے ہوں‘ وہ اپنے آپ کو مقیم سمجھ کر پوری نماز ادا کرسکیں۔

۱۷:...... مسجد حرام یا مسجد نبوی کے تمام مدرسین کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاروں ائمہ: امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ میں سے کسی کی ذات‘ ان کی فقہ اور فقہی اجتہادات پر کیچڑ نہ اچھالیں۔ اگر کوئی مدرس اس سے باز نہ آئے‘ تو اس کو اس مسند سے فی الفور ہٹا دیا جائے۔ الغرض ان کو رواداری کی تلقین کی جائے اور شدت سے اس پر عمل کرایا جائے‘ کیونکہ سننے بلکہ مشاہدہ میں آیا ہے کہ بعض تنگ نظر مدرسین‘ امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خلاف غیر محتاط زبان استعمال کرتے ہوئے انتہائی نازیبا کلمات کہتے ہیں‘ جس کی وجہ سے حنفی حجاج کرام ان سے الجھتے ہیں اور حرمین کی فضا مکدر آلودہ اور خراب ہوجاتی ہے۔

۱۸:...... جدہ سے مکہ مکرمہ یا مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ اور مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ حجاج کو لے جانے والے بس ڈرائیور حضرات عموماً راستوں سے ناواقف ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک تو وقت ضائع ہوتا ہے، دوسرے ضعیف و کمزور اور مریض حجاج پریشان ہوتے ہیں، تیسرے یہ کہ وہ حجاج کی نمازوں کا خیال نہیں کرتے اور بلاوجہ جمع بین الصلوٰتین کی آڑ میں ان کی نمازیں قضا کرادیتے ہیں‘ ان کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ حجاج کی نمازوں کی بروقت ادائیگی کو یقینی بنائیں، اور ان کے لئے راستوں سے واقف کار راہنماء اور مرشدوں کا بھی

انتظام کیا جائے۔

۱۹:...... جب سے مطوفین و معلمین کو بذریعہ نیلامی مکتب نمبر الاٹ کئے جانے کا نظم طے ہوا ہے، اس وقت سے مطوفین و معلمین نے اضافی سہولتوں کے نام سے اضافی اخراجات کا مطالبہ شروع کردیا ہے، اور عملاً ایسا ہورہا ہے، چنانچہ شنید ہے بلکہ مشاہدہ ہے کہ ایک، ایک حاجی سے سات سو سے پندرہ سو ریال تک مزید طلب کرکے حجاج کو زیربار کیا جاتا ہے، اس سے حجاج کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

۲۰:...... ایسے حجاج کرام جو اضافی اخراجات برداشت نہیں کرسکتے، انہیں بہت دور منیٰ سے باہر اور مزدلفہ کی حدود میں ٹھہرایا جاتا ہے، اس پر بھی ان سے کم ازکم دوسو ریال مزید طلب کیے جاتے ہیں، چنانچہ ان کا روزانہ رمی کے لئے جمرات تک آنا جانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے، خصوصاً کمزور، معذور اور خواتین کو بہت ہی پریشانی ہوتی ہے۔ بلاشبہ ایسے حجاج کا اس لئے کوئی پُرسان حال نہیں ہوتا کہ وہ سات سو سے پندرہ سو ریال تک کے اضافی اخراجات نہیں دے سکتے، بہرحال اس کا بھی کوئی معقول ومناسب حل تلاش کیا جائے۔

۲۱:....سب سے آخری بات یہ ہے کہ حج ایک مقدس فریضہ اور اسلام کا رکنِ اعظم ہے، اس کو تجارت کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ ہمارے خیال میں حجاج کی موجودہ مشکلات میں اضافہ کا ایک سبب یہ سوچ بھی ہے کہ معلّمین، مطوفین اور سعودی وزارت حج نے اس کو زرِمبادلہ اور تجارت کا ذریعہ تصور کرلیا ہے، جب کہ اس سے قبل سعودی حکومت حج کو خالص عبادت کے نقطہ نگاہ سے دیکھتی تھی اور حجاج سے کسی قسم کی مالی منفعت کے بجائے ان پر خرچ کرنے اور ان کو راحت پہنچانے کو اپنی سعادت سمجھتی تھی۔

غالباً اسی کی برکت تھی کہ اس دوران سعودی حکومت مالی اعتبار سے مضبوط و مستحکم تھی، مگر افسوس! کہ جب سے وزارت حج اور معلمین و مطوفین کی فکرو سوچ کا زاویہ بدلا ہے، اس وقت سے سعودی حکومت مالی مشکلات کا شکار ہے، نہ صرف یہی بلکہ وہ روز بروز قرضوں کے بوجھ تلے دبتی جارہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ حجاج کی بیسیوں مشکلات میں سے چند ایک کی نشان دہی اور ان کے ازالہ کے لئے مختصر سی تجاویز پیش کی گئی ہیں، اگر ان کا حل تلاش کرلیا جائے تو انشاء اللہ! حجاج کو مزید سہولت ہوجائے گی اور ان کے لئے فریضہ حج کی ادائیگی آسان ہوجائے گی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

☆☆..........☆☆

مساجد کے لئے
خاص رعایت
جبار کارپٹس
ڈیلرز:
مون لائٹ کارپٹ
نیر کارپٹ
ثمر کارپٹ
وینس کارپٹ
اولمپیا کارپٹ
یونی ٹیک کارپٹ
پتہ:
این آر ایونیو، نزد حیدری پوسٹ آفس بلاک "جی" برکات حیدری، ناظم آباد
فون: 6646888-6647655 فیکس: 0921-21-5671503
E-mail :jabbarcarpet@cyber.net.pk

پہلی قسط

بیت المقدس اور فلسطین

تاریخی پس منظر

مولانا ابرار کلیم

ابتدائیہ:

دنیا میں فلسطین ہی ایک ایسی سرزمین ہے‘ جسے تقریباً تمام مذہب وملت کے ماننے والے عزت و عظمت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اوروں کو چھوڑیئے دنیا کی تین آسمانی مذہب کے پیروکار مسلمان‘ یہودی اور عیسائی جن کے پاس آسمانی کتاب ہے۔ ان کی اس سرزمین سے دلچسپی کی حد یہ ہے کہ یہ روز اول سے ہی ان کی معرکہ آرائیوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ اور ہر ایک اس کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ اسلام سے پہلے ”یہود وعیسائی“ اس کے لئے دست و گریباں رہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں جب اسلام آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو اس وقت یہ سرزمین یہودیوں کے قبضہ میں تھی۔ مسلمان مجاہدین نے اس کے تقدس کو بحال رکھتے ہوئے صلح کرلینا مناسب سمجھا اور اس طرح امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حاضری پر یہودیوں نے بیت المقدس آپ کے حوالے کردیا‘ مسلمان صدیوں اس سرزمین کی نگہبانی کرتے رہے‘ چند سالوں کے لئے عیسائی اس کے حکمراں بن بیٹھے‘ لیکن ”صلاح الدین“ ایوبی کی اسلامی غیرت وحمیت کی للکار نے بالآخر انہیں بھگا کر ہی دم لیا‘ اور مسلمان دوبارہ اس پر قابض ہوگئے۔ ۱۹۶۷ء میں پھر اس پر یہودی قابض ہو بیٹھے۔ یہ دن تاریخ اسلام کے لئے بڑا ہی اندوہناک ثابت ہوا کہ آج تک کوئی ”صلاح الدین“ ایوبی نہ آسکا‘ اور ”مسجد اقصیٰ“ اب تک یہودیوں کے ہاتھوں میں جکڑی ہوئی ہے۔

ارضِ فلسطین:

یہ ایک چھوٹا سا خطہ ہے‘ جسے اب فلسطین کہا جانے لگا۔ بحیرۂ روم کے مشرقی سواحل کے درمیان واقع ہے۔ اس کا رقبہ ٦٠٤٠ مربع میل ہے ”کوہستان“ کے دو متوازی سلسلے اس کی سطح میں نشیب وفراز پیدا کئے ہیں‘ اور دریائے اردن کی عمیق وادی اس کو سرسبز و شاداب کرتی رہتی ہے۔ (تاریخ یہود مولوی عبدالحلیم شرر)

دینی وتاریخی حیثیت:

اس خطہ کی تاریخی اور مذہبی وقعت نے مؤرخین کو حیرت میں ڈال دیا ہے کہ جتنی اس کی وقعت ہے‘ کسی اور مقام اور خطہ کی نہیں ہے۔ یہی وہ ارض مقدس ہے‘ جس کے قریب ہی کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی بنیاد ڈالی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس مقام پر ایک ہیکل (عبادت خانہ) کا نقشہ بنایا‘ اور ان کے فرزند ارجمند حضرت سلیمان علیہ السلام نے باپ کی وصیت کے مطابق نہایت عالیشان معبد الٰہی تعمیر کی۔ ہمارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ”شب معراج“ کو آسمان پر اسی مقام سے تشریف لے گئے (تاریخ یہود) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس معبد الٰہی کی تجدید کی (تاریخ یہود)

الغرض اس محدود سرزمین کے اندر کچھ ایسے خدا شناسی کے جذبات‘ اور خدا پرستی کے قدیم تبرکات ودیعت ہیں کہ آج تک اسے خدائے لایزال کی خاص عنایت وتوجہ حاصل ہے‘ جس کی بنیاد پر اب تک دینی مزاج رکھنے والوں کا اعلیٰ مرکز بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

”اور ہمیشہ کے لئے ”بیت المقدس“ کے نام سے نامزد ہوگئی‘ ہزاروں انبیاء ورسل علیہم السلام اسی خاک سے اٹھے اور یہیں مدفون ہوئے‘ جن کے مزارات آج بھی مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں۔“ (تاریخ یہود مولوی عبدالحلیم شرر صاحب)

بیت المقدس کی تعمیر:

شہر یروشلم میں کوہ موریا پر وہی مقام جہاں بقول بعض راویانِ یہود کے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لختِ جگر کو قربانی کرنے کی غرض سے لے گئے تھے اور جہاں حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنا مختصر سا عبادت خانہ بنایا تھا‘ اس پاک عمارت کی تعمیر کے لئے تجویز ہوئی‘ تو صوریہ کے بادشاہ جہاں کے معمار مشہور تھے‘ اور جس کے دور میں کوہ لبنان کے دامن میں پھیلے جنگلات تھے‘ جس میں عمدہ عمدہ لکڑیاں تھیں‘ اس

مبارک کام کے لئے عمدہ لکڑیوں اور معماروں سے مدد کی۔ (تاریخ یہود) اور حسن نظم ونسق سے بالآخر پایۂ تکمیل کو پہنچا‘ خدا کے وعدوں اور داؤد وسلیمان علیہما السلام کی دعاؤں نے بنی اسرائیل کو یوں ہی اس ہیکل الٰہی کا فریفتہ بنا رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اور دیگر اقوام بھی اس کو دیکھ کر حیرت زدہ تھیں۔ ان کی آنکھیں چکا چوند ہو جایا کرتی تھیں‘ کیونکہ یہی وہ گھر ہے جو خانہ کعبہ کے بعد اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا‘ جس کی بنیاد پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی سطوت و جبروت اور ان کی حکومت کا پوری دنیا کو معترف ہونا پڑا۔ سارے اقوام عالم خوفزدہ ہو کر ان کی پیروی پر مجبور ہوگئے۔ مختصر یہ کہ اس وقت سلطنت اسرائیل عروج پر تھی۔ ۹۷۵ ق م میں حضرت ’’سلیمان‘‘ کے انتقال کے بعد ہی سے اس کے زوال کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ چنانچہ سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی‘ اور جنوبی سلطنت یہودا: جس میں جنوبی فلسطین اور روم شامل تھا‘ اس کا پایۂ تخت یروشلم تھا۔ شمالی سلطنت اسرائیل (جو شمالی فلسطین اور اردن پر مشتمل تھی) اس کا دارالحکومت ’’سامرہ‘‘ (انابلس) قرار پایا۔ جنوبی حکومت کا حکمراں ’’رحبعام‘‘ بن ’’سلیمان‘‘ تھا‘ اور شمالی حکومت کا حکمراں ’’میر بعام‘‘ بن ’’سلیمان‘‘ تھا۔ (تاریخ یہود)

خونریزی وفساد کے دور کا آغاز:

اچانک دونوں ریاستوں میں ٹھن گئی۔ آپسی چپقلش اور جاہ وجلال نے ان کے اندر بے راہ روی پیدا کر دی ’’یہودا‘‘ نے غیر اللہ کی پرستش شروع کر دی۔ ’’رحبعام‘‘ کے پانچویں سال شاہ مصر ’’سحاساق‘‘ نے یروشلم کی طرف پیش قدمی کی‘ اور بغیر کسی مزاحمت کے شہر میں داخل ہوگیا۔ اس نے ہیکل سلیمانی اور شاہی خزانوں کو لوٹا۔ عبادت گاہ کی تمام قیمتی چیزیں لے گیا‘ یہ ’’بیت المقدس‘‘ کا سترہ محاصروں میں سے پہلا محاصرہ اور سب سے کم نقصان دہ حملہ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا ’’مصر‘‘ کا باج گزار بن گیا‘ پھر ایسی افتاد شروع ہوئی کہ ’’سلیمانؑ‘‘ سے ’’ہیروڈس‘‘ اعظم تک ’’بیت المقدس‘‘ کئی حملہ آوروں کا نشانہ بنا رہا‘ ایک طرف بیرونی حملے دوسری طرف اندرونی انتشار نے حکومت کو ہلا کر رکھ دیا‘ اور اس پر اتنی مصیبتیں آئیں کہ اس کی ہیئت کذائی بدل کر رہ گئی‘ گہری وادیاں ملبے سے اٹ گئیں‘ اور حالات اتنے ابتر ہوئے خدا پناہ (تاریخ بیت المقدس) اس کے باوجود بنی اسرائیل خدا کی نافرمانی پر مصر رہے۔ فحاشی‘ حرام کاری‘ عیاشی‘ بدمعاشی روزمرہ کا مشغلہ رہا۔ حتی کہ ’’کنعان‘‘ کے قدیم شہری قبائل کی طرف بت پرستی کی عبادت میں ہاتھ بٹانے لگے‘ اور اپنے بادشاہ ’’یہودا‘‘ کی مورتیاں بنا کر دیوی دیوتاؤں کی طرح اس کی پوجا پاٹ شروع کر دی‘ اس کے لئے ’’تورات‘‘ کو حسب منشاء تبدیل کیا‘ اور کلام الٰہی کو مسخ کر کے رکھ دیا‘ اس دور میں جو بھی ان کی اصلاح اور خدا وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلانے والے اٹھتے‘ ان کا استہزاء اور مذاق اڑاتے اور ان کو طرح طرح سے ستانے اور ان کو پریشان کرنے کی ہر ممکن تدبیر کرتے‘ بلکہ بسا اوقات ان کو قتل کئے بغیر دم نہ لیتے۔

فلسطین پر غیروں کے حملے:

ان کا یہ رویہ خدا کو ایسا ناگوار گزرا کہ ان پر ہمیشہ کے لئے غلامی اور ماتحتی مسلط کر دی‘ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ’’ضربت علیہم الذلة والمسکنة وباء وا بغضب من اللہ...... الخ‘‘ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع عثمانیؒ) چنانچہ جب ان پر کوئی بادشاہ حملہ کرتا تو ان کی حالت درست ہو جاتی‘ مگر کچھ عرصہ بعد پھر وہی شرارتیں اور بداعمالیاں ان میں پھیل جاتیں تو اللہ نے ان کو ان کے دشمن کے ہاتھ سزا دلائی (تاریخ یہود) ’’وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا...... الخ الی ماعلوا تتبیرا۔‘‘

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ۱۹۹۱ق م کو مصر کا بادشاہ اس پر چڑھ دوڑا اور بیت المقدس کا سامان: سونے‘ چاندی وغیرہ لوٹ کر لے گیا‘ مگر شہر اور مسجد کو منہدم نہیں کیا۔

چار سال بعد جب یہودیوں نے بت پرستی شروع کر دی اور آپسی جھگڑے ہونے لگے تو اس وقت اس کی نحوست سے پھر مصر کے بادشاہ نے حملہ کر دیا اور کسی قدر مسجد کی عمارت کو بھی نقصان پہنچایا۔ جب ’’بخت نصر‘‘ بابل کا بادشاہ ہوا تو اس وقت ’’بیت المقدس‘‘ پر چڑھائی کی اور شہر کو فتح کر کے بہت سا سامان لوٹ لے گیا‘ اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا کر لے گیا اور پہلے بادشاہ کے خاندان کے ایک فرد کو اپنا قائم مقام بنا دیا‘ جس کا نام ’’یہویاکین‘‘ (تاریخ بیت المقدس) تھا۔

یہ واقعہ ۵۹۸ ق م میں ہوا‘ اس لئے بادشاہ ’’یہویاکین‘‘ نے جو بت پرست اور بدعمل تھا۔ مصر کی سازش‘ ربیوں اور کاہنوں کے کہنے پر ’’فرعون مصر‘‘ سے ساز باز کر کے ’’بخت نصر‘‘ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا‘ بخت نصر بابل سے نکلا‘ پہلے مصری فوج جو یہویاکین کی مدد کے لئے آرہی تھی شکست دی۔ پھر یروشلم کا محاصرہ کر لیا اور گھمسان کی جنگ ہوئی‘ جس کے نتیجے میں بے شمار یہودی مارے گئے‘ بلکہ کشت و خون اور قتل وغارت کی کوئی حد نہ رہی‘ شہر میں آگ لگا کر میدان کر دیا‘ یہ حادثہ تعمیر مسجد سے تقریباً چارسو پندرہ سال بعد رونما ہوا۔ (تاریخ یہود) اس کے بعد

یہودی یہاں سے جلا وطن ہوکر بابل چلے گئے' جہاں نہایت ذلت وخواری سے رہتے ہوئے ۷۰ سال کی زندگی گزار دی اور جب شاہ ایران نے شاہ بابل پر چڑھائی کرکے بابل کو فتح کرلیا تو ان جلا وطن یہودیوں کو واپس ملک شام میں پہنچادیا اور ان کا لوٹا ہوا سامان بھی واپس کردیا' اب یہودا اپنے برے اعمال اور نافرمانیوں سے رجوع کرچکے تھے' ایران کی نصرت وتعاون سے پھر مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی اور پہلی حالت اور نقشہ کے مطابق بنادیا (معارف القرآن) جب یہود کو یہاں اطمینان وآسودگی دوبارہ حاصل ہوگئی تو پھر اپنے ماضی کو بھول بیٹھے اور بدکاری اور بداعمالیوں میں منہمک ہوگئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے ایک سوستر سال پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ جس بادشاہ نے ''انطا کیہ'' آباد کیا تھا' اس نے چڑھائی کردی اور چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور چالیس ہزار کو قیدی اور غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا اور مسجد اقصیٰ کی بڑی بے حرمتی کی' مگر عمارت منہدم ہونے سے بچ گئی' لیکن اس بادشاہ کے جانشینوں نے شہر اور مسجد کو بالکل میدان کردیا' اس کے کچھ عرصہ بعد ''بیت المقدس'' پر سلاطین روم کی حکومت ہوگئی' انہوں نے مسجد کو پھر درست کیا اور اس کے آٹھ سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے (تاریخ یہود) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صعود اور رفع جسمانی کے چالیس سال بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ یہودیوں نے سلاطین روم سے بغاوت کرلی' رومیوں نے پھر شہر اور ''مسجد اقصیٰ'' کو تباہ وبرباد کرکے وہی حالت بنادی جو پہلے تھی۔ اس وقت کے بادشاہ کا نام طیطس تھا' جو نہ یہودی تھا' نہ نصرانی' کیونکہ اس کے کئی سالوں کے بعد قسطنطین اوّل عیسائی ہوا (تاریخ بیت المقدس) اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہ مسجد ویران پڑی رہی' جب مسلمانوں نے فتح کیا تو اس کی ازسرنو تعمیر کی گئی۔

مسلمانوں کا ارض فلسطین سے تعلق:

یہ ایک متبرک مقام ہے' تقریباً سولہ سترہ ماہ مسلمانوں کا قبلہ رہا ہے' ظاہر ہے اس مقام کا جتنا حقدار ''یہودی'' تھے اس سے کہیں زیادہ مسلمان تھے' چونکہ یہی اصل دین ہے' اور یہ مقام ہمیشہ نبیوں کا مرکز بنتا چلا آیا ہے (تاریخ بیت المقدس) خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور اسلام دور دور تک پھیلنے لگا تو مسلمانوں کی دلچسپی ''مسجد اقصیٰ'' کی طرف بڑھی' حضرت عمر بن العاصؓ جنگ یرموک سے فراغت کے بعد ۱۳ھ میں بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے' اور وہاں پہنچ کر القدس کا محاصرہ کرلیا' عیسائی قلعہ بند ہوکر لڑتے رہے' چند دنوں بعد حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی آگئے' انہوں نے جہاد اور لوٹنے کے شرائط یروشلم کے بڑے سرداروں کے پاس بھیجا' صلاح و مشورہ کے بعد پادری ''صفرونیوس'' نے صلح منظور کرلی اور شرائط لگائی کہ یہ مقام خلیفۃ المسلمین کے علاوہ کسی کو سپرد نہیں کیا جاسکتا (تاریخ بیت المقدس) دوسری روایت یہ کہ حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ''بیت المقدس'' کی فتح آپ کی آمد پر منحصر ہے' جب یہ خط حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ مسلمانوں کے مشورہ کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے' آپ اپنے مفتوحہ علاقوں سے گزر رہے تھے اور لوگ آپ کو سلامتی کی دعائیں دے رہے تھے' بالآخر دمشق میں معاہدۂ صلح پر دستخط ہوگئے۔ (تاریخ بیت المقدس) ایک اقرار نامہ عیسائی باشندگان ''بیت المقدس'' کی جانب سے عمل میں آیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہر لگائی' خالد بن ولید' عمر بن العاص' عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہم اجمعین نے دستخط کئے۔ یہ معاہدہ ۱۰۵ھ میں لکھا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کئی دنوں تک قیام رہا' اسی دوران ''قبۃ الصخرہ'' کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

عبدالملک بن مروان نے اپنے عہد خلافت ۷۲ھ میں ''مسجد اقصیٰ'' اور ''قبۃ الصخرہ'' کی ازسرنو تعمیر شروع کرائی' لیکن خلیفہ عبدالملک بن مروان اپنی تمام تر توجہات کے باوجود صرف ''قبۃ الصخرہ'' کی تعمیر مکمل کراسکا اور مسجد کی تعمیر اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کے عہد میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ (تاریخ بیت المقدس)

صلیبی حملے اور عالم اسلام کے لئے نیا خطرہ:

کئی صدی تک مسلمان اس کے حکمراں رہے' اور بیت المقدس کی خدمت اپنی سعادت سمجھی' لیکن عین اس وقت جب کہ ایک طرف مرکز اسلام میں پوری قوت سے تصنیفی وتعلیمی کام ہورہا تھا اور بعض اسلامی عظیم شخصیتیں اصلاح وتربیت میں سرشار ومنہمک تھیں۔ دوسری طرف پورے عالم اسلام پر خطرہ کا بادل منڈلا رہا تھا' مسلمانوں کی ہستی اور نفس اسلام کا وجود خطرہ میں تھا۔ مسیحی یورپ صدیوں سے اسلام سے خار کھائے بیٹھا تھا۔ مسلمان اس کی پوری مشرقی سلطنت پر قابض تھے اور اس کے تمام مقدس مقامات اور خود مولد مسیح ان کے قبضہ اور تولیت میں تھا۔ یورپ کا جذبہ انتقام بھڑک رہا تھا' لیکن انہیں حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اچانک ان کی نگاہ شمالی اسلامی سلطنت کی کمزوریوں پر پڑی تو ان کے اندر قسمت آزمائی کا حوصلہ بلند ہوا۔ اسی زمانہ میں ایک واعظ

مذہبی جود پذیر ہوا' جس نے تمام یہودی نسلوں میں مذہبی جنون کی لہر دوڑادی اور دیگر باتوں نے بھی ان کو صلیبی لڑائی کی ترغیب دی۔ اس وقت مسلمانوں کا بادشاہ ظاہر فاطمی تھا (تاریخ دعوت وعزیمت ابوالحسن علی ندویؒ) بہرحال ۴۹۰ھ میں ان کا سب سے پہلا لشکر شام کی طرف روانہ ہوا اور دو سال کی مدت میں ''الرہا'' اور ولایت ''انطاکیہ'' کے بڑے شہروں بہت سے قلعوں اور حلب پر قبضہ کرلیا۔ ۴۹۲ھ مطابق ۱۰۹۹ء میں صلیبی مبارزوں نے یروشلم (بیت المقدس) کو فتح کرلیا اور چند ہی سالوں میں فلسطین کا بڑا حصہ یعنی ساحل شام' پر انطرطوس' عکہ طرابلس الشرق اور صدا صلیبیوں کے تصرف میں آ گیا۔ مشہور انگریز مؤرخ ''اسٹینلے لین پول'' کے بقول صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پچڑ ٹھونکے۔ اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ درندانہ' وحشیانہ معاملات کئے' ان کے بچوں کو دیواروں پر دے مارا' دوسرے دن ان میں قید کئے جانے والے عربوں سے سڑکوں کے خون دھلائے گئے' گویا چھٹی صدی ہجری میں مسلمانوں کا کوئی قائدو لیڈر نہیں نظر آ رہا تھا جو ان کی حفاظت ونگہبانی کی ذمہ داری لے۔

اتابک عمادالدین زنگی:

عین اس کشمکش اور بڑھتی ہوئی مایوسی کے عالم میں عالم اسلام کے افق پر ایک نیا ستارہ طلوع ہوا' ایک نیا قائد اور تازہ دم مجاہد مل گیا' جس گوشہ سے امید نہ تھی وہاں سے ایک نئی طاقت ابھری' وہ ''عمادالدین'' سلجوقیوں کا اور سلطان کی طرف سے ''موصل'' کا حاکم تھا۔ زنگی نے اپنی طاقت مستحکم کرکے ''الرہا'' پر حملہ کردیا جو ''عیسائیوں'' کی راجدھانی اور ریاست بلکہ سب سے زیادہ مضبوط خطہ تھا (تاریخ دعوت و عزیمت) اور ۶/جمادی الاخریٰ ۵۳۹ھ مطابق ۲۳/دسمبر ۱۱۴۴ھ کو اس نے ''الرہا'' پر قبضہ کرلیا اور اب ''فرات'' کی وادی صلیبیوں کے حملے سے مامون ہوگئی۔ اس فتح کے کچھ عرصہ بعد ۵۴۱ھ مطابق ۱۱۴۶ء میں وہ ایک غلام کے ہاتھوں شہید ہوگیا' شہادت سے پہلے اس نے اسلامی جہاد میں روح ڈال دی' جسے اس کے نامور فرزند الملک العادل ''نورالدین'' زنگی نے آگے تک پہنچادیا۔

الملک العادل نورالدین زنگی:

نورالدین محمود تمام مسلمانوں کی طرف سے صلیبیوں کے انخلاء اور ''بیت المقدس'' کی بازیافت کے لئے اپنے آپ کو مامور من اللہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے تمام علاقوں پر دھاک بٹھادی ۵۵۹ھ/۱۱۶۴ء میں وہ ''حارم'' پر قابض ہوا' جو ایک مضبوط شمالی سرحدی قلعہ تھا' اس معرکہ میں دس ہزار عیسائی قتل وقید ہوئے' کئی اہم علاقوں کو فتح کیا' اس کی سب سے بڑی آرزو بیت المقدس کی بازیابی تھی' لیکن یہ سعادت سلطان صلاح الدین ایوبی کے حصہ میں آئی۔ (تاریخ دعوت وعزیمت)

سلطان صلاح الدین ایوبی:

سلطان صلاح الدین کے لئے مصر میں میدان صاف ہوگیا اور مصر کی زمام حکومت ان کے ہاتھ میں آئی تو ان کی زندگی یکسر بدل گئی' کیونکہ سلطان کو جہاد سے بہت زیادہ عشق تھا۔ ان کی زندگی کی روح جاوداں اور لذت آشنا کا سامان تھی' انہوں نے بے شمار معرکوں کو سر کیا' آخر مختلف جنگی کارروائیوں اور مقابلوں کے بعد وہ معرکہ پیش آیا' جسے فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے۔ جس نے صلیبیوں کی قسمت کا فیصلہ کردیا' حطین کی جنگ تھی' جو سنیچر کے دن ۲۴/ربیع الاول ۵۸۳ھ مطابق ۱۱۸۷ء کو پیش آئی اور جس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی (بیت المقدس پر اسرائیلی تسلط ایڈیشن آف ایران) ''حطین'' کی فتح کے بعد وہ مبارک موقع جلد آ گیا' جس کی سلطان کو بے حد آرزو تھی (یعنی بیت المقدس کی فتح) اسی سال ۲۷/رجب ۵۸۳ھ کو جب سلطان ''بیت المقدس'' میں داخل ہوئے اور پورے نو برس کے بعد یہ پہلا قبلہ جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب میں امامت کی تھی' اسلام کی تولیت میں آیا' یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ سلطان کے داخلہ کی تاریخ بھی وہی تھی' جس تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی۔

القدس پر یہودی تسلط کی حکمت عملی:

فلسطین اور القدس پر حکومت عثمانیہ کے اختتام تک اسلامی حکومت قائم رہی' البتہ ''سائیکس پیکو'' کے ۱۹۱۶ء کے معاہدہ پر دستخط ہونے کے بعد جب برطانیہ نے ۱۹۱۷ء میں انتداب حکومت کا چارج سنبھالا اور پہلی جنگ عظیم اختتام کو پہنچی' نیز برطانوی حکومت نے فلسطین کے بڑے علاقے اور القدس کے مغربی حصہ پر یہودیوں کو قبضہ دے دیا' اور پھر جون ۱۹۶۷ء میں فلسطین اور القدس پر یہودیوں کا مکمل تسلط قائم ہوگیا تو فلسطین اور القدس میں انتہائی سرعت و تیزی کے ساتھ یہودی نو آبادیات کا آغاز ہوا تاکہ عربوں کی آبادیوں کے نقوش و آثار مٹادیئے جائیں (بیت المقدس پر اسرائیلی تسلط) اور بعد میں کسی کو دعویٰ کرنے کی جرأت نہ ہوسکے۔ برطانوی تسلط کا آغاز خصوصاً ۱۹۱۷ء کے وقت القدس کے علاقوں میں عربوں کی ملکیت ۹۰ فیصد سے زائد تھی' جبکہ یہودیوں کی ملکیت ۴ فیصد تھی' اسی طرح عرب باشندوں کی آبادی وہاں کل چالیس ہزار نفوس پر مشتمل آبادی میں ۷۵ فیصد تھی اور یہودی آبادی ۲۵ فیصد سے زیادہ نہیں

تھی یعنی اس خطہ کی آبادی میں صرف دس ہزار یہودی آباد تھے' لیکن برطانوی تسلط کے بعد اس صورتحال میں انقلابی تبدیلی آئی' چنانچہ ۱۹۹۴ء میں عربوں کی آبادی ۵۸۷ ہزار میں صرف ۲۶ فیصد رہ گئی اور یہودی کی آبادی ۷۴ فیصد ہوگئی' زمینوں اور جائیداد کی ملکیت میں بھی زبردست تبدیلی آئی' اب ۸۶ فیصد اراضی یہودیوں اور عوامی ضروریات کے لئے اور صرف دس فیصد زمین عربوں کی تھیں اور ۴ فیصد زمین کی حفاظت کے لئے عربوں کو سخت جدوجہد کرنی پڑ رہی ہے۔ اسرائیل نے اس شہر میں رہائش اور آبادیاتی مقصد کے لئے زبردست منصوبے تیار کر رکھے ہیں' اوران سارے منصوبوں پر مختلف ذرائع اور مختلف طریقوں سے عمل ہورہا ہے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ رب القدس یہودی نو آبادیات سے گھرے ہوئے ایک ایسے شہر کی شکل اختیار کرلی ہے' جس کے نئے نقوش کا نہ تو انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کو اپنی اصلی شکل میں واپس لایا جاسکتا ہے۔

اول یہود کاری : مرحلہ بمرحلہ انیسویں صدی کے اواخر میں:

القدس کی یہودی کارروائی مختلف شکلوں میں جاری رہی اور اس کارروائی کا نفاذ عالمی سطح پر ''یہودیت'' اور ''سامراجی'' ممالک کے درمیان طے شدہ منصوبوں کے مطابق کیا جاتا رہا۔ موسیٰ مونٹیفیوری نے القدس کے تاریخی شہر کے قلب میں جب اپنی یہود کاری مہم کی ابتدائی کارروائی کا آغاز کیا تو اس کے تحت ۱۸۲۷ء سے اس نے وہاں یہودی بستیاں بسانے کے لئے عملی طور پر دورے کرنے شروع کردیئے اوراس مقصد کو بروئے کارلانے کے لئے چھ مرتبہ دورہ کیا' یہ گویا ۱۸۳۱ء سے ۱۸۷۲ء تک کے درمیانی وقفہ میں انگلینڈ' اٹلی' رومانیہ' مراکش اور روس میں بسے ہوئے یہودیوں کے ساتھ القدس کے سلسلہ میں طے شدہ اغراض و مقاصد کا پیش خیمہ تھا۔ مونٹیفیوری نے یہود کاری مہم کا آغاز ۱۸۳۹ء میں القدس کے قلب اور فلسطین کے مختلف گوشوں میں بسے ہوئے یہودیوں کی مردم شماری سے کیا' تاکہ نو آبادیات کی کارروائی اس طرح انجام پائے کہ شہر القدس اس کا نقطۂ نظر ہو' چنانچہ انہوں نے ۱۸۴۳ء کے درمیانی وقفہ میں ایسے انداز میں اس کام کو انجام دیا کہ القدس کے ساتھ ساتھ اس کے اطراف و جوانب میں ۲۷ یہودی کالونیاں عمارت کی شکل اختیار کرگئیں (بیت المقدس پر اسرائیلی تسلط) سب سے پہلے یہودی کالونی کی تعمیر اس طرح ہوئی کہ مونٹیوری نے مسلم حاکم کو فریب دے کر کہا کہ اس پر ہسپتال بنایا جائے گا' لیکن اس نے ہسپتال کے بجائے رہائشی مکانات تعمیر کراکر یہودیوں کو آباد کردیا' اس طرح سے انیسویں صدی کے اختتام تک شہر کے مغربی' شمالی اور جنوبی صدر دروازے تک پہنچنے والے تمام راستوں میں یہودی بستیاں تعمیر ہوگئیں' اور ۱۱/ دسمبر ۱۹۱۷ء کو برطانوی افواج کے داخلہ کے ساتھ صیہونی منصوبہ نے القدس شہر کا محاصرہ کرکے اوراس کے رہائشی علاقوں پر تسلط جما کر ایک اہم معرکہ سر کرلیا۔

بیسویں صدی کے آغاز سے ۱۹۶۷ء تک:

یہودیت اور عالمی صیہونیت نے اپنے سیاسی دائرہ اور سماجی وثقافتی اور سیاسی سطح پر اپنے وجود کو مستحکم کرنے کی غرض سے اپنے مذہبی اطلاعاتی' اداروں کی تنصیبات پر بھی خاصا زور صرف کیا' یہ کوششیں ''تھیوڈ ہرتزل'' کے علاوہ ہے' جو اس نے فلسطین اور القدس میں صیہونی بیداری پیدا کردی تھی اور وہاں کے یہودیوں کے لئے قومی وطن بنانے کی فکر کو اچھی شکل میں لانے کی غرض سے کی تھی۔ ۲/ نومبر ۱۹۰۳ء کو ''ہرتزل'' کے جرمنی غلیوم (ولیم) ثانی' صیہونیت اور اس کے مقاصد کے سلسلہ میں ایک تفصیلی میمورنڈم پیش کیا' ان مقاصد کے تحت ''یہودیوں'' کی مملکت صدر مقام القدس کے شارع انبیاء میں قائم کرنا تھا' ہرتزل نے اس کے بعد وہاں کے دورے کو برقرار رکھتے ہوئے یہودیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ القدس پر ٹوٹ پڑیں' اور وسیع پیمانے پر نو آبادیاتی کارروائی کو مکمل طریقے سے پایۂ تکمیل کو پہنچائیں' اس طرح ۱۸۹۷ء سے ۱۹۳۱ء تک شہر کے اندر اور جوانب میں چوبیں دوسری کالونیاں تعمیر ہوگئیں اوراب مجموعی تعداد ۵۱ ہوگئیں (تاریخ بیت المقدس) برطانوی جنرل نے القدس میں داخلہ کے بعد اسکندریہ کے ایک انجینئر کو طلب کرکے اسے القدس کے اطراف میں یہودی کالونیوں کو بلدیہ کے حدود میں شامل کیا تھا' جس کو شہر کا درجہ دینے کی تجویز تھی' تاکہ عربوں کی زمینوں اور اسلامی اوقاف کی جائیداد پر یہودیوں کے تسلط کو قانونی رنگ دیا جاسکے۔

فلسطینی مسلمان اور یہودی مظالم:

۱۹۶۴ء کی جارحیت کے بعد ۷/ جون ۱۹۶۷ء کو اسرائیلی افواج نے اپنی جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''القدس'' پر اپنا تسلط مکمل کرلیا' اور ۲۸/ جون ۱۹۶۷ء کو اسرائیلی وزیر داخلہ ''حایم موشی'' شاپیرو نے القدس کے عرب محلوں کو مشرقی القدس میں شامل کرنے کا اعلان کردیا۔ مشرقی القدس پر تسلط کے بعد شہر کے دوسرے حصہ کی یہودکاری کا کام شروع کیا گیا تاکہ اس میں یہودی قانونی وجود کو جواز مل جائے۔

(جاری ہے)

☆☆..........☆☆

تیسری قسط

قادیانیت کا مکروہ چہرہ!

کینیڈا سے قادیانیوں کے پندرہ سوالات اور ان کا جواب

مولانا سعید احمد جلال پوری

۳:...... ''حضرت محمد نے اپنے خاندان یعنی آلِ رسول کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے کیوں منع کیا ہے؟ کیا اس سے خاندانی بڑائی اور تکبر کی نشاندہی نہیں ہوتی؟ کیا رسول کا خاندان افضل اور باقی سب کمتر ہیں؟ بحیثیت انسان میں خاندانی افضلیت یا بڑائی تسلیم نہیں کرتا۔ خود حضرت محمد کا قول ہے کہ تم میں افضل وہ ہے جس کے اعمال اچھے ہیں، تو پھر یہ قول ان کے اپنے خاندان پر کیوں لاگو نہیں ہوتا؟''

جواب:...... عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ اگر کسی کٹر سے کٹر مخالف میں بھی کوئی خوبی اور کمال نظر آئے، تو اس کا اعتراف کرنا چاہئے، مگر باطل پرستوں کے ہاں اس کے برعکس یہ اصول ہے کہ جب کسی سے پرخاش، بغض، عداوت یا دلی نفرت ہو، تو انہیں اس کی خوبیوں میں بھی سو سو نقائص نظر آتے ہیں اور نہ صرف اس کے محاسن و خوبیوں کو نقائص و معائب بنا کر پیش کیا جاتا ہے، بلکہ ان پر حرف گیری کی جاتی ہے۔ قادیانیوں کے مذکورہ اعتراض میں بھی ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عداوت کا یہی فلسفہ کارفرما ہے۔

ورنہ اگر دیکھا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے خاندان کے لئے زکوٰۃ و صدقات کو حرام قرار دے کر جہاں امت کے غرباء اور فقراء پر احسان فرمایا ہے، وہاں اپنی ذات اور اپنے خاندان کے لئے تنگی اور مشکلات پیدا فرمائی ہیں، اس لئے کہ:

۱:...... زکوٰۃ تو ہر صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہے اور اس کی ادائیگی اس کے ذمہ فرض ہے، اگر زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے لئے حلال ہوتے تو ہر مسلمان کی خواہش ہوتی کہ میری زکوٰۃ سیّد دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے خاندان اور آل و اطہار کے مصرف میں آئے، اس سے ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا خاندان تو آسودہ حال ہوسکتا تھا، مگر اس کے ساتھ، ساتھ مسلمان غرباء اور فقراء مالی تنگی اور تنگ دستی کا شکار ہوجاتے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات، آل، اولاد اور خاندان کے مفادات کی قربانی دی اور اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو مشقت میں ڈال کر امتِ مسلمہ کے غرباء اور فقراء کے منافع کو پیش نظر رکھا۔

۲:...... اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اور اپنی آل و اطہار کے لئے ہدیہ و عطیہ قبول کرنے میں بھی اپنی ذات اور اپنے خاندان کے مالی منافع کو مزید محدود فرمادیا ہے، کیونکہ ہدیہ و عطیہ دینے کی نہ تو ہر مسلمان میں استعداد و استطاعت ہوتی ہے اور نہ ہی ہر کسی کو اس کا ذوق ہوتا ہے۔ نتیجتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان مالی تنگی اور عسر کے ساتھ ساتھ زہد و تقشف کا خوگر رہے گا، اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور دلی دعا تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس کی دعا فرمائی کہ:

''اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتاً، متفق علیہ۔''

(مشکوٰۃ، ص:۴۴۰)

ترجمہ:...... ''اے اللہ! میرے خاندان کا رزق بقدر کفایت ہو۔''

۳:...... دیکھا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ذات اور اپنے خاندان کے لئے زکوٰۃ و صدقات کو حرام قرار دینے کا راز یہ تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی ذات یا اپنے خاندان کے لئے صدقات و زکوٰۃ لینا حلال قرار دیتے، تو احتمال تھا کہ اسلام دشمن اور قادیانیوں جیسے ملاحدہ وغیرہ یہ اعتراض کرتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ...... نعوذ باللہ! ...... زکوٰۃ و صدقات کا حکم اپنی ذات اور اپنے خاندان کی مالی آسودگی کے لئے دیا ہے، جب ہی تو ...... نعوذ باللہ! ...... وہ زکوٰۃ پر پل رہے ہیں۔

اسی حکمت کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے مصرف کو بیان فرماتے ہوئے

ارشادفرمایا:

''تؤخذ من اغنیائھم وترد فی فقرأھم۔'' (ابوداؤدص:۲۳،ج:۱)

ترجمہ:......''(مالِ زکوٰۃ) ان کے اغنیاء سے لے کران کے فقراء پرخرچ کیا جائے۔''

چنانچہ اس حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعتراض وبدگمانی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بندکردیا اورواضح کردیا کہ زکوٰۃ وصدقات کے اجراء سے مقصود اپنی ذات یا خاندان کی معاشی آسودگی نہیں' بلکہ ان کے فوائد ومنافع' زکوٰۃ وصدقات دینے والے مسلمانوں کے غریب وفقیر متعلقین ہی کی طرف لوٹائے جائیں۔

۴:......چونکہ جولوگ بلاضرورت مانگ کریا زکوٰۃ وصدقات پرزندگی گزارنے کے عادی ہوجاتے ہیں' عموماً ان میں تقویٰ' طہارت' حمیت' غیرت' شجاعت اوردوسرے اخلاق فاضلہ برقرارنہیں رہتے یا کم ازکم کمزور پڑ جاتے ہیں' اور عام مشاہدہ بھی یہی ہے کہ عام طور پرایسے لوگوں کی ہمتیں پست ہوجاتی ہیں' وہ محنت' مشقت اور کسبِ مال سے جی چراتے ہیں' عیش کوشی' راحت پسندی اور آرام طلبی ان کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے' سستی وکاہلی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کرجاتی ہے جس کی وجہ سے ایسے لوگ معاشرہ میں بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے۔اس لئے اندیشہ تھا کہ کہیں خاندانِ نبوت کے دشمن اس کو آڑ بناکر ذاتِ نبویؐ کے خلاف زبان طعن کھول کراپنی دنیاوآخرت نہ بربادکربیٹھیں۔

انسانوں کے دین وایمان کی بربادی کے اسی خطرہ کے پیش نظرآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آل واطہاراورخاندان کے لئے زکوٰۃ وصدقات کو حرام قراردے کراپنی آل'اولاداورخاندان پرمعاشی وسعت کے دروازے بندکرکے ایک طرف ان کے لئے معاشی تنگی پیدا کی تو دوسری طرف بہت سوں کے ایمان واسلام کوبربادی سے بچالیا۔

۵:......پھراس کا بھی امکان تھا کہ کہیں میرا خاندان محض قرابت نبوی کی وجہ سے لوگوں کی زکوٰۃ وصدقات کواپنا حق نہ سمجھ بیٹھے' یا کہیں اس کی نگاہ لوگوں کے مال زکوٰۃ وصدقات پر ہی نہ ٹک جائے' اس لئے زکوٰۃ وصدقات کوسرے سے ان پر حرام قراردے دیا گیا۔

۶:......اس کے علاوہ عین ممکن ہے کہ خاندانِ نبوت پرزکوٰۃ وصدقات حرام قراردینے کی یہ حکمت ہوکہ میرا خاندان ذلیل دنیااورمعمولی رزق کی خاطر مسلمانوں کی نگاہ میں ذلیل وخوارنہ ہوجائے' یا لوگوں کی زکوٰۃ وصدقات پرتکیہ کرکے حصولِ رزق میں کاہل وسست نہ پڑجائے' اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پرزکوٰۃ وصدقات کوحرام قراردے کر انہیں محنت ومجاہدہ سے بقدرکفایت رزق حاصل کرنے اورامورآخرت کی طرف متوجہ فرمایا۔

حیرت ہے کہ قادیانیوں کو ایک طرف آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زہدوتقشف اور اپنی ذات سے لے کراپنی آل'اولاداورخاندان کے لئے کفاف وقناعت کے طرزعمل پرتواعتراض ہے' مگر دوسری طرف انہیں مسیلمہ پنجاب مرزاغلام احمدقادیانی کے اس بدترین کرداراور مال بٹورنے کے سؤسوغلیظ حیلوں'بہانوں اور بیسیوں قسم کے چندوں پرکوئی اعتراض نہیں۔

اگرقادیانی امت تعصب اورعناد کی عینک اتارکرایک لحہ کے لئے اپنے انگریزی نبی مرزاغلام احمدقادیانی کی مالی حالت پرغورکرتی' تو اس پر یہ حقیقت روزِروشن کی طرح عیاں ہوجاتی کہ سیالکوٹ کی عدالت میں کلرکی کرنے والے ایک معمولی شخص کی فیملی'رائل فیملی کیسے بن گئی؟اوراس کا خاندان دنیا کے امیرترین خاندانوں میں کیسے شامل ہوگیا؟ اور اس کے پاس اس قدر وافرمقدار میں مال ودولت کہاں سے آ گئی؟ اور ان کی زمینوں اور جائیدادوں کی اسٹیٹس کہاں سے نازل ہوگئیں؟

بلاشبہ قادیانی امت خود ہی مرزائی نبوت کی شریعت کی روشنی میں بتلاسکتی ہے کہ یہ سب قادیانی چندہ مہم کی برکت ہے' کیونکہ قادیانی شریعت میں توقبر بھی چندہ کے عوض فروخت ہوتی ہے' اس لئے کہ جو قادیانی وقف زندگی' وقف جدید' وقف فلاں' وقف فلاں کا چندہ نہ دے سکیں' انہیں قادیانی ''بہشتی مقبرہ'' میں دفن ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی۔جس کا معنی یہ ہے کہ جوقادیانی' بہشتی مقبرہ کا چندہ نہ دے پائے دوسرے لفظوں میں وہ جہنمی مقبرہ میں دفن ہوگا' گویا مرزاجی کو چندہ نہ دینے والے قادیانی اس دنیا میں ہی جہنمی ہیں۔

قادیانیو! حضرت محمدصلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے زکوٰۃ وصدقات استعمال نہ کرنے پرتوتمہیں اعتراض ہے' لیکن افسوس! کہ تمہیں اپنے نبی کے کنجریوں کی کمائی ہضم کرنے اور اُسے شیرمادرسمجھ کرہڑپ کرجانے پرکوئی اشکال نہیں' آخرکیوں؟ قادیانیو! تمہارا نبی زندگی بھر دونوں ہاتھوں سے چندہ سمیٹتارہااورساری زندگی مالی تنگی کا رونا بھی روتارہا' سوال یہ ہے کہ آج اس کی فیملی اور خاندان رائل فیملی کیسے بن گیا؟

قادیانیو! تمہارے نبی کی ساری زندگی دوسروں کے مال پرنظررہی' جبکہ ہمارے نبی آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دنیائے دنی سے دامن چھڑانے میں گزری' چنانچہ آپ نے فرمایا:ہمیں

تمہارے مال کی نہیں ایمان واعمال کی ضرورت ہے۔ قادیانیو! تمہارے ہاں غریب کی کوئی حیثیت نہیں‘ چندہ دینے والے تمہارے ہاں بہشتی ہیں اور غریب جہنمی ہیں‘ اور تم قبروں کو بیچتے ہو‘ جبکہ ہمارے نبی اور ان کے امتیوں نے قبر فروشی کا کاروبار نہیں کیا‘ بلکہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”......فمن مات وعلیہ دین ولم یترک وفاءً فعلیَّ قضاءہ ومن ترک مالاً فلورثتہ‘ متفق علیہ۔“ (مشکوٰۃ‘ ص:۲۶۳)

ترجمہ: ”اگر کوئی مسلمان فوت ہوجائے اور اس پر کوئی قرضہ ہو تو اس کا میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ذمہ دار ہوں اور اگر مال چھوڑ جائے تو اس کا مال اس کے وارثوں کا ہے۔“

ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لا نورث ما ترکناہ صدقۃ‘ متفق علیہ۔“ (مشکوٰۃ‘ ص:۵۵)

ترجمہ:......”ہم جماعت انبیاء جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ ہمارے خاندان میں بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا‘ بلکہ وہ صدقہ ہے۔“

قادیانیو! بتاؤ!!! مرزا غلام احمد کی جائیداد اس کے خاندان کے علاوہ کہاں خرچ کی گئی؟ اگر قادیانیوں میں ذرہ برابر بھی شرم وحیا‘ یا عقل ودانش کی کوئی رمق ہوتی تو وہ نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر اعتراض کرنے کی بجائے دنیا کے پجاری اور انگریز کے حواری نبی مرزا غلام احمد قادیانی پر دو حرف بھیج کر اس سے اظہار برأت کرتے۔

۴:......”حضرت محمد نے جہاد کا حکم کیوں دیا؟ جہاد کو اسلام کا پانچواں ضروری رکن کیوں قرار دیا؟“

جواب:......دیکھا جائے تو اس اعتراض کے پیچھے بھی مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی امت کی انگریز حکومت کی نمک خواری کا جذبہ کارفرما ہے‘ ورنہ مرزائیوں اور تمام دنیا کو معلوم ہے کہ جہاد کا حکم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے‘ اس لئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ مرزائیوں‘ قادیانیوں اور ان کے باوا غلام احمد قادیانی کا اسلام اور قرآن پر نہ صرف یہ کہ ایمان نہیں‘ بلکہ ان کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

۲:......اگر قادیانی‘ قرآن کریم کو مانتے ہوتے اور اسے اللہ کا کلام سمجھتے ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود جہاد کا حکم دینا ہوتا تو مکی دور میں اس کا حکم دیتے‘ جبکہ مسلمان کفار ومشرکین کے ظلم کی چکی میں پس رہے تھے‘ اگر جہاد کا معاملہ آپ کے قبضہ میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کو صبر کی تلقین کیوں فرماتے؟ حبشہ کی ہجرت کی اجازت کیوں دی جاتی؟ اپنا آبائی گھر چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کیوں فرماتے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کفار اور مشرکین مکہ کے مظالم کیوں برداشت کرتے؟

۳:......اس سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں جس طرح مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے اور اس طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا ہے‘ اس سے صاف اور واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کے لئے قلت تعداد کے باعث ثقیل تھا‘ اور ان کے لئے جہاد کا حکم بجالانا کس قدر مشکل تھا‘ چنانچہ مندرجہ ذیل آیات میں مسلمانوں کو جہاد کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

الف:......”اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا‘ وان اللہ علی نصرہم لقدیر۔“ (الحج:۳۹)

ترجمہ:......”حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں‘ اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔“

ب:......”یا ایہا النبی حرض المومنین علی القتال‘ ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مأتین‘ وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانہم قوم لایفقہون.“ (الانفال:۶۵)

ترجمہ:......”اے نبی شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا‘ اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سے سو شخص تو غالب ہوں ہزار کافروں پر اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔“

ج:......”کتب علیکم القتال وہو کرہ لکم‘ وعسٰی ان تکرہوا شیئًا وہو خیر لکم‘ وعسٰی ان تحبوا شیئًا وہو شرلکم‘ واللہ یعلم وانتم لاتعلمون۔“ (البقرۃ:۲۱۶)

ترجمہ:......”فرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ بری لگتی ہے تم کو اور شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ

بری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔“

ان آیات اور اسی طرح کی دوسری متعدد آیات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جہاد کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نہیں‘ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا‘ چونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی‘ اور وہ ایک عرصہ سے کفار کے مظالم کی چکی میں پس رہے تھے‘ اور مسلمان بظاہر کفار کی تعداد اور قوت وحشمت سے کسی قدر خائف بھی تھے‘ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان کو جہاد پر آمادہ کیا جائے اور باور کرایا جائے کہ وہ کفار کی عددی کثرت سے خائف نہ ہوں بلکہ مسلمانوں کا ایک فرد کفار کے دس پر بھاری ہوگا۔

۴:..... اسی طرح یہ بھی واضح کیا گیا کہ مسلمانوں کو یہ احساس بھی نہیں رہنا چاہئے کہ اب تک تو ہمیں کفار کے مظالم پر صبر کی تلقین کی جاتی رہی اور ان کی جانب سے دی جانے والی تکالیف واذیتوں پر صبر و برداشت کا حکم تھا تو اب جوابی‘ بلکہ اقدامی کارروائی کا حکم کیونکر دیا جارہا ہے؟ تو فرمایا گیا کہ یہ صبر و برداشت ایک وقت تک تھی‘ اب اس کا حکم ختم ہوگیا ہے اور جہاد وقتال کا حکم اس لئے دیا جارہا ہے کہ اب تمہارے صبر کا امتحان ہوچکا اور کفار کے مظالم کی انتہا ہوچکی۔

نیز یہ کہ چونکہ اس وقت کفار‘ مشرکین اور ان کے مظالم‘ اشاعتِ اسلام میں رکاوٹ تھے اور وہ فتنہ پردازی میں مصروف تھے‘ اس لئے حکم ہوا کہ: ”وقاتلوھم حتی لاتکون فتنہ“ یعنی کفار سے یہاں تک قتال کرو کہ کفر کا فتنہ نابود ہوجائے۔

اسی طرح اس مضمون کو دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا گیا:

الف:..... ”یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم ومأوٰھم جھنم وبئس المصیر“ (التوبہ:۷۳)

ترجمہ:..... ”اے نبی! لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تندخوئی کر ان پر اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔“

ب:..... ”قل ان کان آبائکم وابنائکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ‘ واللہ لایھدی القوم الفسقین۔“ (التوبہ:۲۴)

ترجمہ:..... ”تو کہہ دے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال‘ جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری‘ جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو پسند کرتے ہو‘ تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور لڑنے سے اس کی راہ میں‘ تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم اور رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔“

ان آیات سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ جہاد کا حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے‘ بلکہ اس میں شدت کی تاکید ہے‘ اور جو لوگ اپنی محبوبات و مرغوبات کو چھوڑ کر جہاد کا حکم بجا نہیں لائیں گے‘ وہ اللہ کے عذاب کا انتظار کریں۔ بتلایا جائے کہ اگر اللہ کا رسول‘ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا مسلمان اس حکم الٰہی کو بجالائیں اور نصوص قطعیہ کی وجہ سے اُسے فرض جانیں تو اس میں اللہ کے نبی‘ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں کا کیا قصور ہے؟ نیز یہ بھی بتلایا جائے کہ جو لوگ طبعی خواہش اور نفس کے تقاضا کے خلاف سب مرغوبات ومحبوبات کو چھوڑ کر اللہ کا حکم بجالائیں‘ وہ قابلِ طعن ہیں یا وہ‘ جو دنیاوی مفادات اور انگریزوں کی خوشنودی کی خاطر اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال دیں؟

بلاشبہ قادیانیوں کا یہ اعتراض ”اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے“ کے زمرے اور مصداق میں آتا ہے۔

۵:..... اس سے ہٹ کر مشاہدات‘ تجربات‘ عقل اور دیانت کی روشنی میں اگر دیکھا جائے‘ تو اللہ کے باغی کفار‘ مشرکین اور معاندین کے خلاف جہاد یا اعلان جنگ عین قرینِ قیاس ہے۔

اس لئے کہ دنیا کے دوپیسے کے بادشاہوں میں سے کسی کے خلاف اس کی رعایا کا کوئی فرد اعلان بغاوت کردے تو پہلی فرصت میں اس کا قلع قمع کیا جاتا ہے اور ایسے باغی کے خلاف پورے ملک کی فوج اور تمام حکومتی مشینری حرکت میں آجاتی ہے تاآنکہ اس کو ٹھکانے نہ لگا دیا جائے۔

اور مہذب دنیا میں ایسے باغیوں سے کسی قسم کی رعایت برتنے کا کوئی روادار نہیں ہوتا‘ اور نہ ہی ان کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کی اجازت ہوتی ہے‘ بلکہ اگر ایسے باغی گرفتار ہوجائیں اور سو بار توبہ بھی کرلیں تو ان کی جان بخشی نہیں ہوتی‘ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی قوم‘ برادری یا افراد‘ خالق و مالک کائنات اور رب العالمین سے بغاوت کریں‘ اور نعوذ باللہ! اس کو چھوڑ کر وہ کسی دوسرے کو رب‘ اللہ

اور مالک مان لیں یا خالق کائنات کے احکام سے سرتابی کریں‘ تو کیا اس رب العالمین اور مالک ارض وسما کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی فوج کے ذریعہ ان شوریدہ سروں کا علاج کرے اور ان کو ٹھکانے لگائے؟ دیکھا جائے تو جہاد کا یہی مقصد ہے‘ اور یہ عدل وانصاف کے عین مطابق ہے۔

۲:...... پھر جہاد صرف شریعت محمدی ہی میں شروع نہیں ہوا بلکہ اس سے قبل دوسرے انبیاء کی شریعتوں میں بھی مشروع تھا‘ جیسا کہ بائبل میں ہے:

”پھر ہم سے مڑ کر بسن کا راستہ لیا اور بسن کا بادشاہ عوج اورعی میں اپنے سب آدمیوں کو لے کر ہمارے مقابلہ میں جنگ کرنے کو آیا‘ اور خداوند نے مجھ سے کہا: اس سے مت ڈرو کیونکہ میں نے اس کو اور اس کے سب آدمیوں اور ملک کو تیرے قبضہ میں کردیا ہے‘ جیسا تو نے اوریوں کے بادشاہ سیحون سے جو حسبون میں رہتا تھا کیا‘ ویسا ہی تو اس سے کرے گا؟ چنانچہ خداوند ہمارے خدا نے بسن کے بادشاہ عوج کو بھی اس کے سب آدمیوں سمیت ہمارے قابو میں کردیا اور ہم نے ان کو یہاں تک مارا کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہا‘ اور ہم نے اسی وقت اس کے سب شہر لے لئے اور ایک شہر بھی ایسا نہ رہا جو ہم نے ان سے نہ لے لیا ہو...... اور جیسا ہم نے سیحون کے بادشاہ سیحون کے ہاں کیا ویسا ہی ان سب آباد شہروں کو مع عورتوں اور بچوں کے بالکل نابود کر ڈالا۔“

(استثنا‘ باب:۳‘ آیت:۱‘۲‘۳ اور ۶)

اسی طرح باب:۲۰‘ آیت:۱۰ تا ۱۴ میں ہے:

”جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا‘ اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باج گزار بن کر تیری خدمت کریں‘ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کریں بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو‘ تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کردے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا‘ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپائیوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو‘ کھانا۔“

(جاری ہے)

HB ® TRUSTABLE MARK

Hameed ® BROS JEWELLERS

3, Mohan Tarrace Sharhah-e-iraq Saddar Karachi. Code: 74400
Phone : 5675454, 5215551 Fax : (092-21) -5671503

غلاف کعبہ

تاریخ کے آئینہ میں

مولانا نثار احمد قاسمی

غلاف کعبہ اسلام سے پہلے:

غلاف کعبہ بیت اللہ کی تعظیم و تقدیس اور شرف وعظمت کا مظہر ہے۔ اہل علم کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ خود حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کعبہ پر غلاف چڑھایا' مگر دوسری ایک جماعت کی رائے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد عدنان نے کعبہ پر سب سے پہلے غلاف چڑھایا' لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یمن کے بادشاہ تبع حمیری نے سب سے پہلے غلاف پیش کیا جو موٹے کپڑے کا بنا ہوا تھا' اس کے بعد مختلف اقسام کے کپڑوں کا غلاف چڑھایا گیا۔ تبع کے علاوہ بھی بہت سی شخصیتوں نے کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھانے کی سعادت حاصل کی اور اسے ایک دینی فریضہ قرار دیتے رہے' جب یہ پرانا ہو جاتا تو اسے اتار کر تقسیم کر دیا جاتا یا دفن کر دیا جاتا تھا' اسی ضمن میں کہا جاتا ہے کہ ابو ربیعہ بن مخزومی کو جب قدرت نے مال و دولت کی نعمت سے خوب نواز دیا تو اس نے قریش کے سامنے تجویز رکھی کہ ایک سال مجھے غلاف چڑھانے دیا جائے اور ایک سال تمام قریش مل کر چڑھایا کریں' قریش نے اس تجویز کو سراہتے ہوئے تسلیم کر لیا اور اس کی موت تک یہ سلسلہ چلتا رہا' شاید اسی وجہ سے قریش نے اس کا نام ''العدل'' رکھا تھا۔

غلاف کعبہ اسلام کے ابتدائی دور میں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا مسلمانوں کو فتح مکہ سے پہلے کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھانے کے عمل میں شرکت کا موقع نہیں ملا' البتہ فتح مکہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو باقی رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے غلاف کو تبدیل کرنے کا حکم نہیں دیا' لیکن جب کسی عورت کے ہاتھوں دھونی دیتے ہوئے' یہ غلاف خاکستر ہو گیا تو آپ ﷺ نے یمنی کپڑوں کا غلاف اس پر چڑھا دیا' آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی آپ ﷺ کے طرز عمل کی اتباع و تقلید کی' چنانچہ آپ ؐ کے خلفاء حضرت ابوبکر' عمر و عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے مصری کپڑوں کا غلاف چڑھا دیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کے بارے میں کوئی صحیح بات منقول نہیں کہ انہوں نے چڑھایا نہیں' کیونکہ ان کی مشغولیت جنگوں اور فتنوں کو کچلنے میں زیادہ رہی ہے۔

غلاف کعبہ خلفاء راشدین کے بعد:

تاریخ و سیر کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ میں دو مرتبہ کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھایا کرتے تھے' ایک عاشورہ کے دن اور دوسرا رمضان کے اواخر میں' عاشورہ کے موقعہ کا غلاف دیباج کا اور رمضان کے آخری عشرہ کے موقعہ کا قباطی کپڑے کا ہوا کرتا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید بن معاویہ' عبداللہ بن زبیر اور عبدالملک بن مروان نے بھی اس پر دیباج کا غلاف چڑھانے کا اہتمام کیا۔ یہ حضرات غلاف کو اتارتے نہیں تھے' جس کے نتیجہ میں کعبۃ اللہ پر غلافوں کا ڈھیر لگ گیا اور کعبہ کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا۔ ۱۶۰ھ میں مہدی عباس نے جب حج کیا اور صورت حال کی نزاکت سے مطلع ہوا تو اس نے ایک غلاف باقی رکھ کر باقی تمام غلافوں کو اتار لینے کا حکم دیا' اس وقت سے لے کر آج تک یہی عمل جاری ہے' مامون کا جب دور آیا تو اس نے سال میں تین بار غلاف چڑھانے کا آغاز کر دیا' ۸/ ذوالحجہ کو سرخ دیباج کا' رجب میں سفید قباطی کا اور ۲۹/ رمضان میں سیاہ دیباج کا غلاف چڑھایا جاتا۔

ناصر عباسی جو فاتح بیت المقدس صلاح الدین ایوبی کے ہم عصر ہیں' انہوں نے پہلے سبز کپڑے کا پھر دوسری بار سیاہ کپڑے کا غلاف چڑھایا اور اس تاریخ سے لے کر آج تک سیاہ رنگ کو غلاف کعبہ کے لئے خاص کر دیا گیا۔ عباسی حکومت کے زوال کے بعد مصری حکام میں سب سے پہلے شاہ ظاہر بیبرس نے غلاف چڑھایا' پھر یمن کے بادشاہ ملک مظفر نے ۶۵۹ھ میں ۸۱۰ھ میں کعبۃ اللہ کے دروازہ کے لئے ایک منقش چادر بنائی' جسے ''البرقہ''

نام دیا گیا‘ مگر ۸۱۶ھ اور ۸۱۸ھ کے درمیان اس کا سلسلہ منقطع رہا۔ ۸۱۹ھ سے دوبارہ اس کا سلسلہ شروع ہوا اور اب تک جاری ہے۔

۷۵۱ھ میں مصر کے بادشاہ ملک صالح اسماعیل بن مالک ناصر محمد بن قلاؤون نے ایک بڑی جائیداد غلاف کعبہ کے لئے وقف کی‘ جس کی وجہ سے بیت اللہ کا خارجی سیاہ غلاف سال میں ایک بار اور اندرونی سرخ غلاف اور مسجد کا سبز غلاف پانچ سال میں ایک بار تبدیل کیا جاتا تھا‘ تیرھویں صدی ہجری کے شروع میں خدیوی محمد علی پادشا نے اس وقف کو ختم کردیا اور غلاف کعبہ حکومت کے خرچ پر تیار کیا جانے لگا‘ ترکی اور آل عثمان کے بادشاہوں نے کعبہ کے داخلی اور حجرۂ نبویہ کے غلاف کو اپنے لئے مخصوص کرلیا۔

غلاف کعبہ سعودی دور میں:

سعودی فرمانروا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ حرمین شریفین کی خدمت ونگہداشت پر خاص توجہ دیتے تھے۔ محرم ۱۳۴۶ھ میں انہوں نے غلاف کعبہ کی تیاری کے لئے ایک مخصوص عمارت کی تعمیر کا حکم دیا‘ جہاں تمام ضروری اشیاء فراہم کردی گئیں اور اسی سال کے وسط میں غلاف کعبہ کی تیاری کی فیکٹری کا افتتاح کیا گیا‘ پہلی مرتبہ غلاف کعبہ مکہ ہی میں تیار کیا گیا اور مکہ میں غلاف تیار کرنے کا شرف سعودی حکومت کو حاصل ہوا اور ۱۳۵۷ھ تک اس فیکٹری میں غلاف تیار ہوتا رہا۔

اس خدمت کو مزید معیاری بنانے اور کعبۃ اللہ کے شایان شان ہونے کے لئے شاہ فیصل نے ۱۳۸۲ھ میں جدید طرز کی عالمی معیار کے مطابق بڑے کپڑے کی فیکٹری کے قیام کا حکم نامہ جاری کیا اور ۱۳۹۷ھ میں اس کی نئی عمارت کا افتتاح عمل میں آیا‘ جس میں خودکار آٹومیٹک بڑی بڑی مشینیں لگائی گئیں اور مشینی کام کے ساتھ ساتھ دست کاری کو بھی باقی رکھا گیا‘ یہ فیکٹری دن بدن ترقی کررہی ہے اور ہر سال کچھ نہ کچھ بہتری کی طرف قدم بڑھاتی جارہی ہے تاکہ غلاف کعبہ زیادہ سے زیادہ معیاری شکل میں تیار ہو۔

غلاف کعبہ:

غلاف کعبہ سیاہ رنگ میں رنگے ہوئے اصلی ریشم کے دھاگوں سے تیار کیا جاتا ہے: ’’اللہ جل جلالہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم‘‘ جیسی عبارتیں کڑھائی کی جاتی ہیں‘ کپڑے کی اونچائی چودہ میٹر ہوتی ہے‘ جس پر قرآن کی مختلف آیتیں لکھی ہوتی ہیں‘ ان آیتوں کی لکھاوٹ میں اسلامی طرز نقش ودستکاری کا پورا پورا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان تحریوں کی کشیدہ کاری میں چاندی کے دھاگوں کا استعمال کیا جاتا ہے‘ جس پر سونے کا پانی‘ چڑھا ہوتا ہے اور یہ پٹی پورے غلاف کعبہ کا احاطہ کئے ہوتی ہے‘ جس کی لمبائی ۴۷ میٹر ہوتی ہے‘ جو ۱۶ ٹکڑوں پر مشتمل ہوتی ہے‘ پٹی کے نیچے تمام کونوں پر مربع شکل کا ایک دائرہ ہوتا ہے‘ جس کے اندر سورہ اخلاص لکھا ہوتا ہے‘ یہ مربع بھی اسلامی نقش ونگار کا حسین مظہر ہوتا ہے‘ بلندی کے اوپر اور پٹی کے نیچے بھی قرآن کی چھ آیتیں لکھی ہوتی ہیں‘ جو علیحدہ دائرہ میں ہوتی ہیں اور ان کے درمیان فاصلوں میں ایک قندیل کی شکل ہوتی ہے‘ جس میں ’’یاحی یاقیوم‘ یارحمٰن یارحیم‘ الحمدللہ رب العالمین‘‘ تحریر ہوتا ہے‘ پٹی کے نیچے کی تحریر تین مرکب لائنوں میں ہوتی ہے اور جس کی کشیدہ کاری واضح ہوتی ہے۔

کعبۃ اللہ کے دروازہ کا پردہ جس کو ’’برقع‘‘ کہا جاتا ہے‘ سیاہ ریشمی کپڑے سے تیار کیا جاتا ہے‘ جس کی اونچائی ساڑھے سات میٹر اور چوڑائی چار میٹر ہوتی ہے اور اس پر قرآن کریم کی آیتیں لکھی ہوتی ہیں‘ اس کے اندر بھی چاندی کے وہی تار استعمال کئے جاتے ہیں‘ جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوتا ہے۔

غلاف کا اندرونی حصہ بشمول پردہ خام مضبوط کپڑے کا ہوتا ہے‘ یہ پانچ ٹکڑوں سے بنتا ہے‘ چار ٹکڑے تو کعبہ کے ہر ایک اطراف کو گھیرے ہوتے ہیں اور پانچواں ٹکڑا یہی پردہ ہے‘ جسے دروازہ پر لٹکا دیا جاتا ہے‘ پرانے کپڑوں کو اتارنے کے بعد ان ٹکڑوں کو کعبہ پر ہی جمع کردیا جاتا ہے۔

غلاف کی تیاری کے مراحل:

ڈیزائن: فنی اعتبار سے غلاف کا ڈیزائن اور تحریر کی گئی لائنیں یکساں یا مستقل نہیں ہوتی ہیں‘ بلکہ بہتر سے بہتر کی جستجو میں بدلتی رہتی ہیں۔ ڈیزائنر اسلامی فن کی رعایت کرتے ہوئے ڈیزائن اور نقش ونگاری کا کام کرتا ہے اور کام کے دوران آنے والے خیالات اور نئی تجاویز کو ڈائری میں نوٹ کرتا جاتا ہے تاکہ مضبوط ڈیزائن کے اصول سے مطابقت رہے اور اعلیٰ ترین ڈیزائن تیار ہوسکے۔

اس کی رنگ سازی اور خاکہ بڑی نہایت مناسب ومتوازن انداز میں کی جاتی ہے‘ یہ ڈیزائن نقش نگاری اور بیل بوٹوں پر مشتمل ہوتا ہے جیسے پٹیوں پر کیا جاتا ہے‘ کپڑوں کی ڈیزائنیں جو خاص کپڑوں پر بنائی جاتی ہیں‘ خارجی اور داخلی ہر ایک غلاف کے لئے ہوا کرتی ہیں۔

اللھم زد ھذا البیت تعظیماً وتشریفاً

☆☆..................☆☆

عرب کے چاند سا حسین....

مولانا عطاء الرحمٰن عطاؔ مفتاحی
(جامعہ حبیبیہ پورینی، بھاگلپور)

یہ آسمان یہ زمیں، یہ مہر و ماہ دلنشیں
نسیم صبح عنبریں، بہار حسن آفریں
گلاب ہو کہ یاسمیں، کسی نے دیکھا ہے کہیں
عرب کے چاند سا حسیں، نہیں! نہیں! نہیں! نہیں!

یہ کاروانِ انبیاء، یہ پاک نوری قافلہ
یہ انس و جن کے مقتدا، مقربانِ کبریا
یہ لوگ ہیں عظیم تر، ہوں مثل مصطفیٰ مگر
حبیب ربِ عالمیں، نہیں! نہیں! نہیں! نہیں!

ستارے ان کی راہ میں، زمانہ ان کی چاہ میں
نبی کی خانقاہ میں، ہے دو جہاں پناہ میں
مقام آپ کا وہ ہے، جہاں کبھی پہنچ سکے
خیال و وہم اور یقیں، نہیں! نہیں! نہیں! نہیں!

وہ جارہے ہیں عرش پر، بلندیوں کا ہے سفر
کہ سدرہ بھی ہے رہ گزر، ہیں آپ سب کے منتظر
ازل سے آج تک بھلا، کوئی بھی اس طرح ہوا
خدا کے ساتھ ہمنشیں، نہیں! نہیں! نہیں! نہیں!

یہ بولے جبرئیلؑ اگر، بڑھا جو آگے بال بھر
ہے جلوہ اتنا پراثر، جلیں گے میرے بال و پر
مقامِ قرب کو چلے، اکیلے ہی نبی ﷺ مرے
یہ کہتے رہ گئے امیں، نہیں! نہیں! نہیں! نہیں!

مرے حضور ﷺ سر بسر، نشانِ عظمتِ بشر
وہ بیکسوں کے چارہ گر، وہ خلق میں بزرگ تر
غضب میں ہوگا جب خدا، تو اک حضور ﷺ کے سوا
کوئی شفیع مذنبیں، نہیں! نہیں! نہیں! نہیں!

شریر اک عدوئے جاں، ہوا نبی ﷺ کا میہماں
تو کھا کے سب کی روٹیاں، نجس بنا گیا مکاں
حضو ﷺ نے وہ گندگی، خود اپنے ہاتھوں صاف کی
جبیں پہ اک شکن کہیں، نہیں! نہیں! نہیں! نہیں!

مرے نبی ﷺ کا ہر قدم، دلیلِ جادۂ ارم
نفس نفس کرم کرم، خدائے پاک کی قسم
وہ موج نورِ گفتگو، کرے جو چاکِ دل رفو
بھلا جواب ہیں کہیں، نہیں! نہیں! نہیں! نہیں!

وہ رحمتِ تمام ہیں، صلائے لطفِ عام ہیں
بلند جو مقام ہیں، وہ سب انہیں کے نام ہیں
ادا ادا میں روشنی، کسی کو شان یہ ملی
ملائک مقربیں؟ نہیں! نہیں! نہیں! نہیں!

متاعِ زندگی عطاؔ، نبی ﷺ کی نعت اور ثنا
بروزِ حشر آسرا فقط اسی پہ ہے مرا
اسی کے صدقے میں خدا، نوازدے عجب ہے کیا
عمل تو پاس کچھ نہیں، نہیں! نہیں! نہیں! نہیں!

Regd# SS-160

عقیدۂ ختم نبوت کی سربلندی، تحفظ ناموس رسالت اور فتنۂ قادیانیت کے استیصال کے لئے

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ساتھ

تعاون کی اپیل

قربانی کی کھالیں

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا تعارف:

- عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملت اسلامیہ کی بین الاقوامی تبلیغی و اصلاحی جماعت ہے۔
- یہ جماعت ہر قسم کے سیاسی مناقشات سے علیحدہ ہے۔
- تبلیغ اقامت دین خصوصاً عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ اس کا طرۂ امتیاز ہے۔
- اندرون و بیرون ملک ۵۰ دفاتر و مراکز ۱۲ دینی مدارس ہمہ وقت مصروف عمل ہیں۔
- لاکھوں روپے کا لٹریچر عربی، اردو، انگریزی اور دنیا کی دیگر زبانوں میں چھاپ کر پوری دنیا میں مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔
- عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ہفت روزہ ''ختم نبوت'' کراچی اور ماہنامہ ''لولاک'' ملتان سے شائع ہو رہے ہیں۔
- چناب نگر (ربوہ) میں مجلس کی سرگرمیاں جاری ہیں اور وہاں دو عالیشان مسجدیں اور دو مدرسے چل رہے ہیں۔
- عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان میں دار المبلغین قائم ہے، جہاں علماء کو رد قادیانیت کا کورس کرایا جاتا ہے، مدرسہ اور دار التصنیف بھی مصروف عمل ہیں۔
- ملک بھر میں اہل اسلام اور قادیانیوں کے درمیان بہت سے مقدمات قائم ہیں۔
- ہر سال دنیا بھر میں عالمی مجلس کے مبلغین تبلیغ اسلام اور تردید قادیانیت کے سلسلے میں دورے پر رہتے ہیں۔
- اس سال بھی حسب سابق برطانیہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی اور امریکا میں بھی متعدد کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔
- افریقہ کے ایک ملک مالی میں مجلس کے رہنماؤں کی کوششوں سے ۳۰ ہزار قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔

یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کی نصرت اور آپ کے تعاون سے ہو رہا ہے۔

اس کام میں مخیر دوستوں اور دردمندانِ ختم نبوت سے درخواست ہے کہ وہ قربانی کی کھالیں، زکوٰۃ، صدقات اور عطیات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو دے کر اس کی بیت المال کو مضبوط کریں۔

نوٹ: رقوم دیتے وقت مد کی صراحت ضروری ہے تاکہ اسے شرعی طریقہ سے مصرف میں لایا جا سکے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو دیجئے

ترسیل زر کا پتہ

مرکزی دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ ملتان

فون: 061-4583846-061-451422 فیکس: 0092-61-4542277

اکاؤنٹ نمبر UBL-3464 حرم گیٹ برانچ، ملتان

جامع مسجد باب الرحمت، پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ، کراچی

فون: 021-2780337 فیکس: 021-2780340

اکاؤنٹ نمبر 8-363 اور 2-927 الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ

اپیل کنندگان

شیخ المشائخ مولانا خواجہ خان محمد صاحب
امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضرت مولانا سید نفیس الحسینی صاحب
نائب امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری صاحب
مرکزی ناظم اعلیٰ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت